فصل سوم

بہبود آبادی اور صحت کے ادارے

صحت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور انسان کی بنیادی ضرورت بھی۔ بلاشبہ اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صحت کا انسان کی ذاتی وسماجی زندگی میں بھی بہت عمل دخل ہے۔ کیونکہ عورت ہو یا مرد ذہنی اور جسمانی طور پر صحت مند انسان ہی اپنی گھریلو اور معاشرتی ذمہ داریاں چستی اور تندرستی سے سرانجام دے سکتا ہے۔ اس لیے بہت حد تک ضروری ہے کہ ہم صحت کے شعبہ کو فروغ دیں اور ایسی پالیسیاں اور پروگرامز تشکیل دیں جن کے تحت افراد کو حفظ صحت کے اصولوں سے آگاہ کیا جا سکے۔ میڈیا اور مذہبی وتعلیمی اداروں کے ذریعے تمام افراد معاشرہ بالخصوص خواتین کی صحت سے متعلق خصوص معلومات فراہم کریں۔ اس لیے عورت خاندان کا دل ہے اور دل صحت مند رہے گا تو جسم کی توانائیاں بحال رہیں گی اور وہ اپنے اعمال صحیح طریقے سے انجام دے سکے گا۔ اسی طرح عورت کی صحت پر خاندان اور معاشروں کا استحکام دارومدار رکھتا ہے مگر آج کل صحت سے مراد صرف تولیدی صحت لی جاتی ہے یا پھر ایڈز کا تذکرہ آجاتا ہے۔ بقایا بیماریوں کی طرف کسی بھی عالمی طاقت کا دھیان ہی نہیں جاتا۔

ہم نے اسمبلی میں جب چاروں طرف عورت اور معاشرے کے حوالے سے صرف حدود آرڈیننس اور قتل غیرت کی ہاہا کار مچی ہوئی تھی کچھ فورمز پر یہ بات اٹھائی کہ ہمیں معلوم کرنا چاہیے کہ درحقیقت پاکستانی عورت کا سب سے بڑا مسئلہ ہے کیا؟ اس پر مختلف این جی اوز کے فورمز پر غور وخوض ہوا اور پھر یہ حقیقت سامنے آئی کہ پاکستانی عورت کا سب سے بڑا مسئلہ پینے کا صاف پانی ہے۔ اس پانی کے حصول کے لیے اسے بڑی مشقتیں جھیلنی ہوتی ہیں۔ اسی پینے کے صاف پانی نہ ہونے کی وجہ سے اس کے گھر میں بیماریاں پھیلتی ہیں اور پھر بیماریوں کی وجہ سے غربت ڈیرے ڈال دیتی ہے۔ مگر اس مسئلے کو بہت اٹھانے کے بعد بھی مغربی اقوام کا پسندیدہ موضوع صحت کے حوالے سے صرف اور صرف تولیدی صحت ہے اور خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں کے نت نئے ناموں سے منصوبے بنائے اور چلائے جارہے ہیں۔

خاندانی منصوبہ بندی کے پس پردہ عزائم

بہبود آبادی کے پروگراموں کی آڑ میں امت مسلمہ کی آبادی گھٹانے اور اسے کنٹرول میں رکھنے کے منصوبے پر عمل درآمد ہو رہا ہے اور ہمارے حکمران انہی کے ایجنڈے پر آنکھیں بند کیے رواں دواں ہیں۔ مگر کسی کی توجہ اس طرف نہیں گئی کہ عالمی سطح پر پاکستان کی آبادی کے بارے میں اس قدر تشویش کیوں پائی جاتی ہے اور وہ بڑی بڑی رقوم کیوں اس مسئلے پر خرچ کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد نے ''خاندانی منصوبہ بندی، طاقت، سیاست اور مفادات کا عالمی کھیل'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جو کہ ایلزبتھ لیاگن نے مرتب کی ہے اور وہ خود برس ہا برس تک اقوام متحدہ کے مختلف اداروں میں کام کرتی رہی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اس کام کے لیے ہمیں ایک پوری ٹیم بنانا پڑی، چار براعظموں کا سفر کیا، تحقیق وتفتیش کے دوران بہت سی امریکی ایجنسیوں کے حضور ''فیڈرل فریڈم آف انفارمیشن ایکٹ'' سے متعلق درخواستیں دینی پڑیں اور عملاً ہزار ہا دستاویزات، رپورٹوں اور جرائد اور کتب کی چھان بین کی گئی۔ 1990ء میں یہ

ضخیم اور محنت طلب کام متعدد افراد کی تحویل سے لے کر ''انفارمیشن پراجیکٹ فار افریقہ'' کے باقاعدہ تفویض شدہ کام کے طور پر جاری رکھا گیا۔ یہ ادارہ صحافتی رپورٹروں کی ایک جمعیت ہے جس میں اشاعتی اور نشریاتی اداروں سے متعلق پیشہ ورصحافی اور مشیر شامل ہیں جو علم وفن کے کئی میدانوں سے متعلق ہیں، جن کی اکثریت کا تعلق کئی افریقی ممالک سے ہے۔

ایلزبتھ لیاگن نے جس خطرے کا اظہار اپنی اس کتاب میں کیا ہے۔ ہم وہ بدنصیب خطہ ہیں جو اپنی آنکھوں سے اس (Mass Genocide) یعنی بڑے پیمانے پر قتل عام کو ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ عراق، افغانستان اور اب پاکستان اس تحدید آبادی ہی کی وجہ سے قتل عام کا شکار ہیں۔ انسانی تاریخ میں اندرون ملک لوگوں کی اتنی بڑی نقل مکانی کو بھی نسل کشی کے مترادف سمجھا جا رہا ہے۔ اسی لیے زمانہ قدیم سے ہی حکومتیں دوسری حکومتوں پر اثر انداز ہونے کی کوششیں کرتی رہی ہیں تاکہ اقوام عالم پر غلبہ پایا جاسکے۔ خود مغربی مفکرین ان خیالات کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔

''تھامس مالتھس (1766ء تا1834ء) نے 1798ء میں Essay on Population اور پھر اس کے نظر ثانی شدہ دوسرے ایڈیشن 1803ء میں Essay on the Principle of Population میں آبادی اور زمینی وسائل کے عدم تناسب کا جو نظریہ پیش کیا تھا وہ علمی اور تحقیقی بحث سے قطع نظر بیسویں صدی کے امریکی اور یورپی پالیسی سازوں کے لیے اپنے استعماری اور نسل پرستانہ عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا ایک اہم ذریعہ اور جواز بن گیا ہے۔

مالتھس نے اس وقت کے انگلستان کے گرتے ہوئے معیار زندگی کا سبب تین عوامل کو ٹھہرایا تھا:

(الف) کثرت آبادی،

(ب) بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وسائل کی کمیابی،

(ج) نچلے طبقوں کی غیر ذمہ داری۔[1]

اس کا حل اس نے یہ تجویز کیا تھا کہ نچلے طبقوں کو اپنے خاندان کا سائز محدود رکھنا چاہیے اور غریب لوگوں کو اتنے بچے پیدا نہیں کرنے چاہئیں جن کی وہ پرورش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ پودوں اور جانوروں کی طرح انسانوں کی آبادی جس رفتار Geomatrical Ratio سے بڑھتی ہے، پیداوار کی شرح، جس میں اضافہ arthematical ratio سے ہوتا ہے، بہت دیر تک اس کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اس کے خیال میں زلزلے، قحط، بیماری اور دیگر آفات جن میں بیک جنبش ہزاروں اور لاکھوں انسان لقمہ اجل بن جاتے ہیں، آبادی اور وسائل میں توازن برقرار رکھنے کا ایک قدرتی ذریعہ ہیں۔ ایک دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ چارلس ڈارون نے اپنی خودنوشت سوانح حیات (1872ء) میں مالتھسی نظریہ آبادی سے اپنے 'نظریہ ارتقاء' کی تشکیل میں استفادے کا بھی اقرار کیا ہے۔ موجودہ دنیا میں دیکھا جائے تو یہی دونوں نظریات مغربی فکر وعمل کی بنیاد ہیں۔

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد نے اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر اس کا اردو ترجمہ کیا اور میں اپنی اس تحقیق میں اس کے وہ پہلو سامنے لانے کی کوشش کر رہی ہوں جو اس وقت تو شاید صرف فکری اور نظریاتی تھے جس وقت مصنفہ نے اسے لکھا تھا مگر آج ان پر پوری طرح سے عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اس کتاب کی اس تلخیص اور اس کے اقتباسات کو پڑھتے جائیں اور مصنفہ کی دوررس نگاہوں اور استعماری طاقتوں کی ریشہ دوانیوں اور مسلم حکمرانوں کی غفلت میں پڑے رہنے

۱۔ ایلزبتھ لیاگن، خاندانی منصوبہ بندی، طاقت، سیاست اور مفادات کا عالمی کھیل، ص۱۳، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد

پر ماتم کرتے جائیں۔

اب تک آبادی منصوبہ بندی پر زیادہ تر بحث کم ازکم مذہبی حلقوں میں (خواہ مسلمان ہوں، عیسائی ہوں، یہودی یا کوئی اور) مذہبی، اخلاقی اور نظریاتی حوالوں سے ہوتی رہی ہے۔ لیکن لیاگن نے اس کتاب میں قطعاً غیر نظریاتی انداز میں اقوام متحدہ اور امریکہ کی ایجنسیوں کی تیار کردہ ہزاروں رپورٹوں اور دستاویزات کی بنیاد پر تحدید آبادی کی مہنگی مہمات اور پروگراموں کو ایک سوچی سمجھی سیاسی اور جنگی حکمت عملی اور بنیادی انسانی حقوق کی سنگین ترین خلاف ورزیاں قرار دیا ہے۔ اس کے خیال میں آبادی کی بہبود اور انسانیت کی بھلائی کے نام پر امریکہ اور اقوام متحدہ کی طرف سے جو کروڑوں ڈالر اور بیش بہا انسانی و مادی وسائل پسماندہ قوموں اور ترقی پذیر ممالک میں بے دریغ خرچ کیے جا رہے ہیں ان کا مقصد صرف اور صرف اپنے سیاسی تفوق اور معاشی بالادستی کو قائم رکھنا ہے۔[۲]

اس کتاب کے اردو ترجمہ کا دیباچہ لکھتے ہوئے محترم خالد رحمٰن صاحب اس کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہیں:

> ''اس کتاب میں بہت سے مغربی مفکرین، پالیسی سازوں، حکومتی اہلکاروں، خفیہ ایجنسیوں کے ذمہ داران کی تحریر وتقریر اور سرکاری اجلاسوں کے نوٹس سے سینکڑوں ایسے اقتباسات پیش کیے گئے ہیں جن میں بعض نہایت معروف افراد نے نہایت سنجیدگی اور ذمہ داری کے ساتھ اپنے نسل پرستانہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام رنگ دار اقوام کم تر اہلیت اور اہمیت کی حامل ہیں اس کے باوجود خدشہ یہ ہے کہ وہ محض اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے زور پر دنیا میں تسلط اور غلبہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گی۔ رنگ دار اقوام کی اس بڑھتی ہوئی آبادی کا مقابلہ کرنے کے لیے امریکہ اور یورپ کا اپنی آبادی کو بڑھانا مشکل بلکہ ناممکن ہوتا جارہا ہے۔ کیونکہ امریکہ اور یورپی اقوام مالتھسی نظریہ کے تحت خود اپنے ہی دام میں پھنس کر اپنی آبادی کی شرح خطرناک حد تک کم کرچکی ہیں اور نوبت اب یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ عام یورپی اور امریکی فرد خاندان اور بچوں کے کسی جھنجھٹ میں پڑنا ہی نہیں چاہتا اور Enjoy thyself کے معروف مغربی اصول کے تحت اپنی زندگی ذمہ داری سے پاک اور عیش وعشرت سے بھرپور گزارنا چاہتا ہے۔ چنانچہ مغربی پالیسی سازوں کو اب یہی حل نظر آتا ہے کہ دوسرے خطے کے لوگوں کی آبادیاں بھی اس حد تک کم کردی جائیں کہ کبھی ان کے مقابل آنے کا خطرہ پیدا نہ ہوسکے۔ اس کے لیے گزشتہ کئی دہائیوں سے ایک ہمہ پہلو مہم چلائی جارہی ہے''۔[۳]

ایلزبتھ لیاگن کتاب کے آغاز میں خاندانی منصوبہ بندی کے بارے میں اظہار خیال کرتی ہیں:

''عام آدمی کے خیال میں حمل کی تحدید (Control) ایک قطعی نجی معاملہ ہے۔ سچ یہ ہے کہ بہتوں کو اس بات سے کراہت ہوگی کہ لوگ کسی کی تولیدی صلاحیت (fertility) کے متعلق اسے لیکچر دیں۔ لیکن درحقیقت نجی معاملہ ہوتے ہوئے بھی، انسانی تناسل ایک سنگین سیاسی مکالمے کی صورت اختیار

۲۔ خالد رحمٰن۔ خاندانی منصوبہ بندی، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، طاقت، سیاست، مفادات کا عالمی کھیل، ص۶

۳۔ خالد رحمٰن۔ خاندانی منصوبہ بندی، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، طاقت، سیاست، مفادات کا عالمی کھیل، ص۸

کر چکا ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر کھلے عام یہ اعلان کرتے پھرنا کہ ایک خاص گروہ یا آبادی دوسرے گروہ کی نسبت زیادہ بچے پیدا کر رہا ہے، صریحاً بے حسی اور اپنا فیصلہ ٹھونسنے کی' تعصب پر مبنی کوشش ہے۔ کسی نے کہا ہے کہ چونکہ بالآخر ہم سب نے اس دنیا سے رخصت ہونا ہے، اس لیے تولید ہی قوموں کے مستقبل کا فیصلہ کرتی ہے۔ یہی وہ اصل وجہ ہے کہ مغرب کے پالیسی ساز اس سوال میں اتنی غیر معمولی دلچسپی لے رہے ہیں۔ دنیا کے مختلف خطوں میں انسانی شرح پیدائش کا بغور جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ 'اقوام کے مستقبل' سے متعلق اور آبادی کے تناسب سے مختلف علاقوں کو حاصل شدہ فوائد میں بعض نہایت بامعنی تبدیلیاں وقوع پذیر ہونے والی ہیں۔''[۴]

اگر انہی خیالات کا اظہار کوئی مسلمان کر دے تو اسے رجعت پسند، جاہل مولوی اور مستقبل کا ادراک نہ رکھنے والا گردانا جاتا ہے۔ مگر مغربی معاشرے کی پروردہ اور اس کے اسرار و رموز سے اچھی طرح واقف ایک خاتون کے یہ خیالات دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لیے کافی حد تک چشم کشا ہیں۔ وہ آگے لکھتی ہیں:

''بے شک وہ دور لد گیا جب بین الاقوامی خاندانی منصوبہ بندی کا مطلب مطب ہائے صحت کا قیام، تربیت دہندگان اور ضروری آلات اور دواؤں کی فراہمی تھا۔ آج کا 'آبادی منصوبہ بندی' کا پروگرام، جو بڑی حد تک امریکی سی آئی اے کے خفیہ اطلاعاتی تجزیوں پر مبنی ہے، 1950ء کی دہائی کی انتہائی جارحانہ سیاسی جنگی مہمات کی سی وسعت اور خصوصیات کا حامل ہے۔ یہ پروگرام ہر لحاظ سے مکمل ہے کہ درپردہ 'مقامی' محاذ بھی قائم ہیں، سیاسی فیصلوں پر اثر انداز ہونے کے لیے خفیہ ادائیگیاں بھی ہو رہی ہیں، برمحل (in-place) ایجنٹوں کی تقرری بھی ہوتی ہے، دانش وروں میں نفوذ بھی ہے، مخالفین کو خوفزدہ کرنے اور ڈانٹ ڈپٹ کا باقاعدہ انتظام ہے، فریب کارانہ رابطے ہیں، میڈیا میں عمل دخل ہے، دھمکیاں ہیں اور مقرر اہداف اور رالٹی میٹم ہیں۔''

وہ مزید لکھتی ہیں:

انسانی آبادی کی شرح نمو (Growth) آج کی دنیا کا سب سے اہم موضوع ہوسکتا ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ اکیسویں صدی کے اہم ترین واقعات بڑی حد تک ان تبدیلیوں کی وجہ سے پیش آئیں جو مختلف گروہوں کی آبادیوں میں ظاہر ہوں گی۔ یقیناً آبادی کے یہ نئے ابھرتے رجحانات ایک بالکل 'نئی دنیا' کی تخلیق کا باعث ہوں گے، جس میں اقوام اور آبادیوں کے درمیان وسائل کی تقسیم کا نیا انتظام ضروری ہوگا۔ اسی طرح اشیاء اور محنت کی قدر (value) اور سیاسی قوت کی تقسیم بھی از سر نو مرتب کرنی ہوگی۔ مزید برآں یہ ترتیب نو ایک ایسی دنیا میں ہوگی جس میں رنگ دار افراد کی آواز نسبتاً بلند آہنگ ہوگی۔''[۵]

۴۔ ایلزبتھ لیا گن۔ خاندانی منصوبہ بندی، طاقت، سیاست اور مفادات کا کھیل، ص۱۲

۵۔ ایلزبتھ لیا گن۔ خاندانی منصوبہ بندی، طاقت، سیاست اور مفادات کا کھیل، ص۱۴

موجودہ آبادیاتی رجحانات کے غیر معمولی سیاسی مضمرات کے تناظر میں، دنیا بھر میں چلائی جانے والی تولیدی مداخلت (reproductive intervention) کی مہم حیرت انگیز اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔ مقام، رنگ اور طبقہ سے قطع نظر دنیا کے سبھی لوگ اس عمل سے متاثر ہوتے ہیں۔ واشنگٹن، لندن اور نیویارک کے مضطرب منصوبہ ساز مغرب کے اثر و اقتدار کے اچانک زوال کے جو اندازے قائم کر رہے ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سے معاملات غور و فکر کے متقاضی ہیں۔ اس مکالمہ میں استعمار کا مسئلہ بھی زیر بحث آئے گا اور نام نہاد 'تیسری دنیا' کی سوچی سمجھی محرومیوں کا تذکرہ بھی ہوگا۔ خاص طور پر یہ سوال کہ اس وقت کیا ہوگا اگر تحدید آبادی کے موجودہ پروگرام آج کے جاری جغرافیائی اور سیاسی و ارتقائی تموج کو لگام دینے میں ناکام ہو جائیں۔

اس کتاب کے مؤلفین اور محققین کو پورا یقین ہے کہ بہت بڑے بڑے مفادات داؤ پر لگے ہوئے ہیں۔ یعنی یہ کہ دنیا کے سیاسی اداروں کا کنٹرول اور دنیا کی ساری دولت تک رسائی کیسے حاصل ہو؟ چنانچہ کسی مرحلہ پر قتل عام (mass genocide) منظم طور پر ایک حقیقی امکان کی صورت میں سامنے آ سکتا ہے۔ اگر یہی چارہ کار ہے جسے مغربی منصوبہ ساز اختیار کرنے کا سوچ رہے ہیں تو پھر وہ یہ عمل بھی کر گزریں گے خواہ اس میں سمجھ دار اور واقف حال لوگوں کی رائے شامل ہو یا نہ ہو۔

عراق، افغانستان اور اب پاکستان کے بیشتر علاقے اسی Mass Genocide کی لپیٹ میں عملاً آ چکے ہیں اور مغربی دانشور بہت منصوبہ بندی سے اپنے مفادات کے لیے اور ترقی پذیر ممالک کو امداد دینے کی آڑ میں اپنا گھناؤنا کھیل کھیل رہے ہیں۔

استعمار سے محکوم اقوام کو جو سب سے بڑا نقصان پہنچا اسے اوراق تاریخ اور انسانوں کے اذہان سے محو کیا جا رہا ہے۔ جنگ ہو یا امن، استعماری نظام، محکوم سے اس کا آزادانہ کردار، اپنی قسمت یا دنیا کے معاملات میں اس کا فیصلے کا اختیار اور ہر طرح کی ثقافتی اور سماجی ذمہ داری سلب کر لیتا ہے۔ البرٹ میمی[۶]

چونکہ ایک طاقت کے حتمی سلامتی کا مطلب باقی ساری طاقتوں کی حتمی غیر سلامتی ہے، اس لیے اس کا حصول صرف فتح سے ممکن ہے۔ جائز فیصلے سے ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ ہنری کسنجر[۷]

یہ توقع عبث ہے کہ دنیا کی طاقتور ترین فوجی اقوام ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہیں گی جب کہ دوسری اقوام محض افزائش نسل سے طاقت کا توازن بدل دیں۔ برٹرینڈ رسل[۸]

۶- Albert Memi cited in Walter Rodney, How Europe Underdeveloped Africa Washington D.C-1982)-225

۷- Henry Kissinger cited in John Stoessinger, The Might of nations: World politics in Ourt Time re.ed (New York,1965),219

۸- Bertrand Russell, Marriage and Morals (London, 1985), 161

امریکہ میں استعماری سوچ کے حامل دانشوروں نے ریاست کو یہ مشورہ دینے میں کبھی بخل سے کام نہ لیا کہ وہ اپنی قوت کو بڑھانے کے لیے اپنی دفاعی صلاحیتوں میں اضافہ کرے اور دوسری اقوام کو اپنے مقابل کھڑے نہ ہونے کے لیے بہبود آبادی کی آڑ میں نسل کشی کا پروگرام مستقل بنیادوں پر چلائے۔

> ''جب سے بیرونی امداد کا سلسلہ شروع ہوا ہے، ہمارے ہر صدر نے بار بار اس فیصلے کا اظہار کیا کہ یہ امداد ریاست ہائے متحدہ کے قومی مفادات اور دنیا بھر میں کمیونسٹ کوششوں کی روک تھام کے لیے لازمی ہے...... بیرونی امداد کا پروگرام ان بہت سے آلات (instruments) میں سے ایک ہے جو ہم اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک بھرپور طور پر استعمال کرسکتے ہیں اور آزاد دنیا کے دفاع اور اس کے مفادات کو بڑھانے کے لیے اس کا استعمال پوری قوت سے لازماً ہونا چاہیے۔''[۹]

ایک عظیم قوت کے ظہور کا انحصار اس امر واقعی پر ہے کہ اقوام کی اقتصادی (اور تکنیکی اور فوجی) قوت متوازی شرح سے نہیں بلکہ امتیازی (differential) فرق کے ساتھ بڑھے۔ یعنی نسبت باہمی سے بعض ریاستیں قوت حاصل کر رہی ہوں تو بعض کھو رہی ہوں...... کچھ وقت گزرنے پر مختلف ریاستوں کی طاقت کی شرح نمو کا یہ فرق پورے عالمی نظام میں قوت کی نئی تقسیم کا باعث بنتا ہے۔ کرسٹوفر لین[۱۰]

ان دانشوروں کی رائے پر پوری طرح عمل درآمد کیا گیا اور سرد جنگ کے خاتمے پر امریکہ اپنے آپ کو واحد طاقت کے طور پر تصور کرنے لگا۔

طاقت کا آبادی پر انحصار

عالمی طاقتوں نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے چاروں طرف نگاہ جمائی ہوئی ہے اور مفکرین اس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ آئندہ طاقت کا بڑا عامل آبادی ہی ہوگا۔

اگلی چند دہائیوں کی شرح آبادی کا رجحان تقسیم آبادی میں جو اچانک اور عظیم تبدیلی لانے والا ہے اس کے نتیجہ میں دنیا کے سیاسی جغرافیہ کو نئی ترتیب ملنے والی ہے اور اس کے عمومی خدوخال کا اندازہ اب بھی ہوسکتا ہے۔ نوجوان قوتیں سامنے آئیں گی جن کی طاقت کا بیشتر انحصار ان کی آبادی کے حجم اور اس سے پیدا شدہ تحرک (stimulus) پر ہوگا۔ پرانی قوتیں گھٹتی آبادی کے نتیجے میں اپنی چمک دمک کھو بیٹھیں گی۔ جین کلاڈ چسنائیس[۱۱]

۹۔ Committee to Strengthen The Security of the Free World, Report to the President of United State, The Scope and Distribution of United States Military and Economic Assistance programs, 20 March 1963: 12

۱۰۔ Christopher Layne,"The Unipolar Illusion:Why New Great Powers Will Emerge " International Security 17, no (Spring 1993):10

۱۱۔ Jean-Claude Chesnais, " The Africanization of Europe", The American Enterprise 1,no.3 (May/June 1990):24

سی آئی اے نے اپنے ایک رپورٹ میں جو کہ تقریباً 32 سال قبل پہلی بار منظر عام پر آئی اور اسے 1995ء میں دوبارہ غور کے لیے پیش کیا گیا۔ اس میں اہم سیاسی امور پر اور بدلتے ہوئے منظر نامہ میں آبادی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا گیا:

> ''اس دنیا کی شرح آبادی کا ان مقامی پر تشدد واقعات اور بین الاقوامی مناقشوں میں بالواسطہ یا بلاواسطہ حصہ ہوگا جو امریکی مفادات کو بری طرح متاثر کریں گے۔ آبادی کی نمو (Growth) بین الاقوامی اقتصادی تعلقات کو سیاسی رنگ دینے میں بھی تقویت کا باعث ہوگی۔ اس سے { کم ترقی یافتہ ممالک کے } اس میلان او رپیش قدمی میں بھی اضافہ ہوگا کہ دولت اور بین الاقوامی امور میں اختیار کی از سرنو تقسیم ہو۔'' سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی (CIA)۱۲

مغربی اقوام اپنی شرح پیدائش میں کمی اور ترقی پذیر ممالک کی شرح پیدائش میں اضافہ سے خوفزدہ ہیں اور اس کے لیے طرح طرح سے منصوبے بنائے جارہے ہیں۔

امریکی محکمہ دفاع میں قائم ''آفس آف دی ڈائریکٹر آف نیٹ اسسمنٹ'' (Office of the Director of Net Assessment) نے 1988ء میں مطالعات کا ایک سلسلہ شروع کردیا جن کا مقصد اسی مذکورہ حوالے سے تولیدی رجحانات کا جائزہ لینا تھا۔ ان میں یہ بات سامنے آئی کہ: ''اہم آبادیاتی حقیقت جو آج دنیا کو متاثر کررہی ہے وہ عمومی طور پر آبادی کی {انسانی} عمروں کا اندازہ ہے۔'' اور یہ نتیجہ ہے،'' ماضی کی اونچی تولیدی شرح میں زوال اور اوسط عمروں (Life expectancy) کے بڑھ جانے کا۔۱۳

اس رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بوڑھی آبادی کے باعث ریاست پر بے پناہ اخراجات کا بوجھ لد جائے گا۔

ترقی یافتہ دنیا میں صورت حال زیادہ واضح ہے جہاں 2025ء میں اوسط درمیانی عمر قریباً 39 سال ہوگی۔ اس کے مقابل ترقی پذیر دنیا میں یہ عدد 30 ہوگا (جبکہ افریقہ کی طرح کے بعض علاقوں میں اس سے بھی کافی کم)۔ اوسط عمروں کے اس انداز کی اہمیت یہ حقیقت ہے کہ بڑھتی عمروں کا نتیجہ کم پیداواریت اور ممکنہ اقتصادی جمود ہوتا ہے۔ اس صورت حال میں کارکنوں کی بہ نسبت فارغ شدہ افراد (Retires) کی تعداد زیادہ ہوجاتی ہے جس کا مطلب ٹیکسوں اور سوشل سیکورٹی اخراجات میں اضافہ ہے۔ مسلح افواج کو زیادہ رقم اور زیادہ افراد کے حصول کے لیے مقابلہ کرنا پڑتا ہے جبکہ آبادی کی پیداواری بنیاد سکڑنے کی وجہ سے رقم کم میسر ہوتی ہے۔۱۴

۱۲۔ Central Intellegence Agency, " Political Perspectives on Key Global Issues", March 1977(declassified in part, January 1995),4

۱۳۔ Gregory D.Foster et al, "Global Demographic Trends to the year 2010,Implications for U.S. Secretary", The Washington Quarterly 12, no (Spring 1989):5-2

۱۴۔ Gregory D.Foster et al, "Global Demographic Trends to the year 2010,Implications for U.S. Secretary", The Washington Quarterly 12, no (Spring 1989):6-7

پھر نہ صرف یہ کہ خوشحال اقوام کی آبادی کم ہو رہی ہے بلکہ ابھرتی اقوام کی شرح پیدائش میں زبردست اضافہ سے صورت حال اور طاقت کا توازن مغرب کی نظر میں بگڑتا جا رہا ہے۔

''یہاں پھر زیادہ اہم اور بنیادی مسئلہ خوشحال اقوام کا یک طرفہ زوال نہیں بلکہ زیادہ اہم شمال کی 'بوڑھی' اقوام اور جنوب کی نئی ابھرتی اقوام کی افزائش کی متقابل شرحیں (Comparative Rates of Growth) ہوتی ہیں۔ امریکی وزارت دفاع (پینٹا گان) کے اسی مطالعہ میں اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس (20ویں) صدی کے بقیہ اور اگلی صدی کی پہلی دہائی کے دوران بڑھنے والی آبادی کا پورا 93 فیصد حصہ ترقی پذیر اقوام میں سامنے آئے گا جس سے ان کی دنیا کی آبادی میں حصہ اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں 80 فیصد سے زیادہ ہو جائے گا''۔ ۱۵

آبادی کے تناسب میں جو زبردست تبدیلی رونما ہوگی وہ مغرب کی برتری کو ختم کر دے گی۔اس کی فکر ان کے دانشوروں کو بھی کھائے جا رہی ہے چنانچہ 1987ء میں سامنے آنے والی کتاب 'قحط اطفال' (The Birth Dearth) میں بن ویٹن برگ (Ben Wattenberg) جو ایک ذی اختیار ادارے 'امریکن انٹر پرائز انسٹی ٹیوٹ' (واشنگٹن ڈی سی) سے متعلق اسکالر ہیں، یہ دلیل دیتے ہیں:

''مغربی ثقافت کم و بیش چالیس سال پہلے جب دوسری جنگ عظیم ختم ہوئی، ایک غالب ثقافت اور تہذیب تھی جبکہ مغرب کا حصہ دنیا کی آبادی میں قریباً 22 فیصد تھا۔ آج ہمارا حصہ 15 فیصد ہے اور ہم اب بھی غالب ہیں۔ {لیکن} اس میں کوئی شبہ نہیں کہ 2025ء میں ہماری آبادی دنیا کی 9 فیصد سے کم ہوگی۔ اور 2100 میں ہم صرف 5 فیصد ہوں گے۔'' ۱۶

اور پھر یہ پیشین گوئی کرتے ہیں کہ اگر یہی صورت حال رہی تو ہم اقتصادی اور فوجی لحاظ سے مسلسل روبہ زوال ہوں گے اور دوسری تہذیبیں غالب آ جائیں گی اور امریکہ کی سلامتی کو خطرہ ہوگا اور وسائل سے مالا مال خطے ہمارے اثر سے باہر چلے جائیں گے۔ چنانچہ 1989ء میں ایک آبادی کے مستقبل پر رپورٹ آئی جس میں کہا گیا:

''امریکی سلامتی کے لیے زیادہ اہم مسئلہ جس کی شدت بڑھتی جائے گی، مناسب مقدار میں ان تزویراتی اور فیصلہ کن (Critical) اشیا کی فراہمی ہوگی جو اقتصادی اور فوجی استعمال میں آتی ہیں۔ اگلی صدی کا اصل مقابلہ شمالی اور جنوبی خطوں کے درمیان وسائل کے حصول کے لیے ہوگا۔ مشرق اور مغرب کے روایتی جھگڑے نہیں ہوں گے۔'' ۱۷

اور رپورٹ کا اختتام اس اعلان پر کیا گیا کہ فیملی پلاننگ سرجیکل حملہ کیا جائے تا کہ بڑھتی ہوئی آبادی کے سرطان

۱۵۔ ایلزبتھ لیاگن، خاندانی منصوبہ بندی، طاقت، سیاست، مفادات کا عالمی کھیل، ص ۵۰

۱۶۔ Ben Wattenberg, The Birth Dearth (New York, 1987), 97-98

۱۷۔ The Population Institute" Strategic and Critical Materials, The United States,Precarions Future", Towards the 21st Century, Washington D.C,1989,2

کے لیے امریکہ فوری طور پر علاج کرے اسی لیے واشنگٹن میں آبادی سے متعلق سب سے بڑی لابی 'پاپولیشن ایکشن انٹرنیشنل' کا ایک کارندہ کہتا ہے:

''اگلی صدی کے نصف اول تک انسانی آبادیوں میں استحکام لانے کا آخری موقع یہی {1990ء کی} دہائی ہے کہ انسانی بنیادوں اور رضا کارانہ طریقوں سے موجودہ 4 یا 5 بلین افراد دگنے سے کچھ کم بڑھنے پائیں۔ یہ ہدف حاصل کرنے کے لیے بہت وسیع پیمانے پر اور فوری بین الاقوامی کوشش کی ضرورت ہے کہ ان فیملی پلاننگ اور ترقیاتی پروگراموں پر عمل درآمد ہو جن کے متعلق پتہ ہے کہ آبادی میں فوری کمی کا باعث ہوں گے۔''۱۸

ایلزبتھ لیاگن نے اقوام متحدہ کو امریکہ کی لونڈی قرار دیتے ہوئے بہت سے راز منکشف کیے ہیں وہ لکھتی ہیں:

''1967ء میں اقوام متحدہ کے پاپولیشن فنڈ (UNFPA) کے قیام سے یہ سلسلہ شروع ہوا۔ تب سے اس فنڈ نے خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں کے لیے مالی اور تربیت یافتہ افرادی امداد مہیا کی، پراجیکٹ کارکنوں کی تربیت کی، اور سرکاری کارندوں تک پالیسی امور سے متعلق اطلاعات پہنچانے کا اہتمام کیا۔ اقوم متحدہ کی ایجنسیاں ایک اور اہم کام بھی انجام دیتی ہیں۔ وہ آبادی سے متعلق اعداد اور سوشل سائنس سے متعلق معلومات جمع کرتی ہیں جن کی روشنی میں پاپولیشن پالیسیاں تشکیل دی جاتی ہیں اور ان پر عمل درآمد کے دوران نگرانی ہوتی ہے۔''۱۹

وہ مزید آبادی کے متعلق پالیسی بیان کا حوالہ دیتے ہوئے کہتی ہیں:

''ایک شائع شدہ رپورٹ کے مطابق اقوام متحدہ تولید اور آبادی میں تبدیلیوں پر کوائف مرتب کرتی اور انہیں شائع کرتی ہے۔ پھر ان اعداد وشمار کا تجزیہ پیش کرتی ہے اور: ''ہدایات اور ترجیحات کا تعین اور دنیا بھر کی حکومتوں کی پالیسیوں اور امدادی قرض (Funding) پر ایک موثر عامل'' کے ایک ذریعہ کا کردار ادا کرتی ہے۔''۲۰

اقوام متحدہ امریکہ کے ان منصوبوں پر پردہ ڈال کر دنیا کے سامنے ان کا بھیانک روپ چھپا کر پیش کرتی ہے۔ لہٰذا امداد اور امدادی منصوبوں اور عالمی مالیاتی اداروں کے زیر نگرانی استعمار اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ افریقہ میں اس قسم کی مہمات کے خلاف وہاں کے راہنما اور مصنفین احتجاج کرتے نظر آتے ہیں۔

گنی کے صدر احمد سیکوطورے نے 1962ء میں کہا:

۱۸۔ Sharon L. Camp, " Population:the Critical Decade", Foreign Policy 90 (Spring 1993):26

۱۹۔ ایلزبتھ لیاگن، خاندانی منصوبہ بندی، طاقت، سیاست اور مفادات کا عالمی کھیل، ص ٦٦

۲۰۔ Phyllis T.Piotrow,"Population Policies for the 80s: Meeting the Crest of theDemographic Wave" in Six Billion People: Demographic Dilemmas and World Politics,ed. Georges Tapinos and Phyllis T.Piotrow, Council of Foreign Relations (New York,1978).95

''افریقی لوگوں کی عسرت اور حرماں نصیبی اور جس استحصال کا انہیں سامنا کرنا پڑا، اس کی طوالت اور ماہیت کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے...... غلاموں کی تجارت کرنے والوں کے جرائم کے اثرات افریقہ پر باقی ہیں کہ ابھی تک اس کے مخفی امکانات کو قلت آبادی نے محدود کر رکھا ہے۔۲۱

کینیا کے ایک معروف مصنف نے 'خاندانی منصوبہ بندی' کی کینیا میں ترویج کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ افریقی لوگوں کے خلاف سازش ہے۔''مشرقی افریقیوں کے ذہن میں نوآبادیاتی استعمار کی یاد تازہ ہے۔ اس لیے بیرونی ماہرین افریقی آبادی کم رکھنے کے لیے جس جوش وخروش کا مظاہرہ کر رہے ہیں، اسے نوآبادیات کا کوئی نیا چکر سمجھنا قطعی مشکل نہیں۔۲۲

امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ ڈین رسک نے جب یہ رائے ظاہر کی کہ ضبط ولادت استحکام کا ذریعہ ہے تو کیوبا کے فیڈل کاسترو نے 1968ء میں اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا:

''عین اس وقت جب سائنس اور ٹیکنالوجی میں عظیم الشان پیش رفت ہو رہی ہے، یہ (امریکی) لوگ ٹیکنالوجی کو انقلابات دبانے کے لیے استعمال کر رہے ہیں، اور سائنس کی مدد سے آبادی کی بڑھوتری روکنا چاہتے ہیں۔''

کاسترو نے استعمار کی تعریف یہ بیان کی:

''قصہ مختصر، لوگ انقلابات سے ہاتھ اٹھالیں، اور عورتیں بچے جننا چھوڑ دیں۔ یہی استعمار کے فلسفہ کا خلاصہ ہے۔''۲۳

لیاگن اس بات پر حیرت زدہ ہے کہ امریکہ جس نظریے کی تشہیر کر رہا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی آبادی کے لیے مفید ہے تو کیا وہ اپنے لیے بھی یہ فارمولا پسند کرتا ہے۔ وہ بھی ایک وقت تھا جب امریکہ طاقت کی سیڑھی پر چڑھ رہا تھا، اس دوران اس کی آبادی حیران کن شرح سے بڑھ رہی تھی۔ 1790ء اور 1840ء کے درمیان پچاس برسوں میں امریکی آبادی 4 ملین سے بڑھ کر اندازاً 18 ملین ہوئی۔ یہ تقریباً پانچ گنا اضافہ ہے۔ تین دہائیاں بعد یعنی 1870ء میں یہ آبادی مزید دوگنی سے بھی زیادہ یعنی 38.5 ملین تھی۔ اگلے دس برسوں میں (1870 اور 1880ء کے درمیان) 37 فیصد اور اضافہ ہوا اور آبادی 50 ملین سے زیادہ ہوگئی۔ صدی اختتام کو پہنچی تو امریکی آبادی 76 ملین تھی۔ یہ سو برسوں میں پندرہ گنا اضافہ ہے۔ اس کے بعد 1900ء سے 1940ء کے درمیان چالیس سالوں میں امریکی آبادی میں شرح افزائش آج کے بہت ترقی پذیر

۲۱۔ Ahmad Sekou Toure quoted in Walter Rodmey, How Europe Underdeveloped Africa(Washington D.C.,1982),95

۲۲۔ Grace Ogot 1967, quoted in Donald P,Warwick, Bitter Pills:Population Policies and their Implementation in Eight Developing Countries (New York , 1982),98

۲۳۔ Fidel Castro to Havana Cultural Congress, 12 January 1968, quoted in J.Mayone Stycos, Ideology, Faith and Family Planning in Latin America:Studies in Public and Private Opinion on Fertility Control, A Population Council Book (New York,1970),126

ممالک سے اونچی تھی اور اس کے نتیجے میں مزید 56 ملین افراد کا اضافہ ہوا۔ بیسویں صدی کے نصف اول کے دوران امریکہ میں آبادی کی اوسط سالانہ شرح نمو 3 فیصد تھی۔ یہ سب تب ہوا جب امریکہ نے اپنی پیداواریت (Productivity) اور دنیا میں اپنے مقام و مرتبہ میں بے حد موثر اضافہ کیا۔۲۴

شرح افزائش نسبتاً تیز ہے۔ کچھ فرق کے ساتھ، یہ اندازے بتا رہے ہیں کہ یہ رجحان دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد سے مسلسل موجود ہے۔ اگر یہ سلسلہ دو ایک نسلوں تک ایسے ہی چلتا رہا تو بین الاقوامی سیاسی صورت حال اور عالمی طاقت کے توازن پر اس کے اثرات بے پایاں ہوں گے۔۲۵

لیا گن نے ان مغربی ترقی یافتہ ممالک پر طنز کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک طرف یہ مغربی اقوام تحدید آبادی کے لیے نت نئے طریقے اور انسانی صحت کے لیے زہریلی دوائیں تیار کرتے ہیں اور دوسری طرف اپنی آبادی کو بڑھانے کے لیے مراعات کا اعلان کرتے ہیں اور انہیں اپنی نسل میں اضافہ کرنے کے لیے طبی سہولتیں فراہم کرتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے ہاں شرح اموات میں کمی اور آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

عجیب مذاق یہ ہے کہ جب معاملہ خود اپنے ملک کا ہو تو بعض ترقی یافتہ ممالک آبادی میں اضافہ کو مفید قرار دے کر خوش آمدید کہتے ہیں۔ مغربی یورپ کے کئی نسبتاً خوشحال اور کثیف آبادی والے ممالک نے ایسے قانونی اقدامات کیے ہیں کہ ان کے ہاں شرح ولادت بڑھ جائے۔۲۶

مثلاً اقوام متحدہ کی پاپولیشن پالیسیوں کی ڈائریکٹری کے مطابق فرانس نے اعلان کیا ہے کہ اس کے ہاں تولیدی شرح بہت کم ہے، چنانچہ اس نے گھرانوں کو دی جانے والی امداد کے نظام میں ایسی تبدیلیاں کی ہیں کہ ''نوجوان اور بڑے کنبوں کو زیادہ فائدہ ملے۔''۲۷

فرانسیسی حکومت نے چند اور اقدامات بھی کیے ہیں، یعنی (شادی شدہ) گھرانوں کو بہتر رہائشی سہولتیں، نوجوان جوڑوں کو کم شرح سود پر قرض کی فراہمی اور ایسے قوانین کا اجراء کہ دوران حمل چھٹی کی ضمانت میسر رہے۔ ان سب کا اعلان شدہ مقصد ایک ہے، یعنی پیدائش اطفال کی شرح کو عوضی (replacement) سطح تک اٹھانا۔۲۸

اسی طرح سوئٹزرلینڈ نے بھی اپنی شرح آبادی کو ناکافی قرار دیا ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک کتاب میں دیے گئے حوالہ

۲۴۔ Statistics from Bureau of the Census and published in The World Almanac and Book of Facts, 1996, ed Robert Famigheti (Mahwah,.J.1995),384-385

۲۵۔ U.S.Army Conference on Long Range Planning reprinted as "Population Change and National Security", Foreign Affairs 70, no.3(Summer 1991),P.117

۲۶۔ ایلزبتھ لیا گن، خاندانی منصوبہ بندی، طاقت، سیاست اور مفادات کا عالمی کھیل، ص۱۷۲-۱۷۶

۲۷۔ National Research Council, Population Growth and Economic Developments: Policy Questions (Washington D.C.1986)

۲۸۔ 91United Nations, World Population Policies (New York, 1987), 1:218,220

کے مطابق سوئس حکومت کی کوشش ہے کہ وہ ''ہر شعبہ میں، بالخصوص بچوں اور گھرانوں کے لیے معاشی تحفظ اور بہبود کی ایسی فضا پیدا کر دے جو بالواسطہ شرح تولید کو بڑھا دے۔[۲۹]

شادی شدہ جوڑوں کے لیے الاؤنس کا ایک نظام بھی کام کر رہا ہے جیسے کہ زچگی کے دوران کام سے چھٹی اور بیمہ کی سہولت موجود ہے۔[۳۰]

مغربی جرمنی نے بھی 1984ء میں 'حیات پسند' (Pro-natalist) پالیسی کا اعلان کیا جس کے تحت سالانہ دو لاکھ جرمن بچوں کی اضافی پیدائش مقصود تھی۔ اس پالیسی میں استقرار حمل کے لیے ٹیکس مراعات ہیں اور ہر ماں کو 200 ڈالر کا خصوصی الاؤنس ملتا ہے جب تک اس کا نومولود سال بھر کا نہ ہو جائے۔ اس پالیسی میں ایک ترمیم کے ذریعہ والدین کے لیے چھٹی کی شقیں ڈالی گئی ہیں اور وضع حمل کے بونس میں اضافہ کیا گیا ہے۔[۳۱]

یونان نے بھی ایک قانون نافذ کیا ہے جس کے تحت حاملہ خاتون کو کام سے نکالنے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ زچگی کی 14 ہفتہ کی چھٹی لازمی کر دی گئی ہے، اور زیادہ بچوں والے گھرانوں کے لیے 'بچوں کی بہبود کا الاؤنس' مقرر کر دیا گیا ہے۔ یہ تمام اقدامات اس لیے ہیں تا کہ ولادت اطفال میں اضافہ ہو۔ یونان میں بانجھ کر دینے کا عمل محدود کر دیا گیا ہے۔[۳۲]

کئی اور یورپی ممالک میں بھی ''خاندان کے لیے فوائد طے کیے گئے ہیں۔'' اگرچہ (بظاہر) یہ فوائد کسی باقاعدہ اعلان شدہ حیات پسند سکیموں کے تحت نہیں دیے جا رہے۔

بچوں میں اضافہ کی ایسی کوششوں کا ان لوگوں کے ضمن میں شاذ ہی کبھی مطلوبہ نتیجہ نکلتا ہے جنہیں بڑے گھرانوں کی کوئی طلب نہیں ہوتی۔ لیکن بڑے خاندان چاہنے والوں پر جب منع حمل کے لیے دباؤ ڈالا جاتا ہے تو یہ عمل تباہ کن حد تک موثر رہتا ہے۔ یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ بھارت میں 1975ء کے دوران وزیراعظم اندرا گاندھی نے جس 'آبادیاتی ایمرجنسی' کا اعلان کیا تھا اس کی پشت پر اصل کارفرما قوت امریکہ کی تھی۔[۳۳]

وسط 1975ء سے، جب ایمرجنسی نافذ ہوئی 1977ء کے آخر تک اندازاً 65 لاکھ مردوں کی نس بندی کی گئی اور ایسا

۲۹۔ 91United Nations, World Population Policies (New York, 1987),3:136-29

۳۰۔ 91United Nations, World Population Policies (New York, 1987),3:136-29

۳۱۔ 91United Nations, World Population Policies (New York, 1987),۲:۶۱

۳۲۔ United Nations, World Population Policies (New York, 1987), 2:24

۳۳۔ See for example,Bernard Berelson of the Population Council, " Beyond Family Planning Conference, Dacca,1996

فی الحقیقت عالمی بنک کے صدر رابرٹ میکنامار (سابق امریکی سیکرٹری دفاع) کے متعلق رپورٹ ہے کہ انہوں نے ۱۹۷۶ء میں بھارت میں وزارت صحت و خاندانی منصوبہ بندی کا دورہ کیا۔ یہ وہی دن تھے جب زبردستی نس بندی زوروں پر تھی۔ دورے کا مقصد بھارتی حکومت کو مبارک باد دینا تھا کہ آبادی کے مسئلہ کے حل کے لیے اس نے پختہ سیاسی عزم و ارادے کا مظاہرہ کیا۔ میکنامارا کے دورے کا حوالہ Robert Whelan نے دیا ہے۔ دیکھیے Choices in Childbearing: When Does Family Planning Become Population Control?'' اس کا ظہور سب سے پہلے ۲۹، (لندن، ۱۹۹۲ء) Scientists ''۵ مئی ۱۹۷۷ء میں ہوا۔ بحوالہ: ایلزبتھ لیاگن، خاندانی منصوبہ، ص۔ ۱۷۳

زیادہ تر ان کی مرضی کے خلاف ہوا۔ اناڑی پن سے کیے گئے آپریشنوں کے نتیجے میں 774 افراد موت کے منہ میں چلے گئے۔۳۴

واشنگٹن کے مایوس ذہنوں نے گزشتہ تین دہائیوں کے دوران دباؤ کے جن ہتھکنڈوں کی حوصلہ افزائی کی، یہ اس کی محض ایک مثال ہے۔ تحدید آبادی کی ایک طاقتور تنظیم کا کہنا ہے کہ عالمی سطح پر 'استحکام' آبادی کی جو کوشش اب (1991ء) تک ہوئی ہے اس سے جنوبی کرہ ارض میں 40 کروڑ آبادی کم ہوئی ہے۔ یہی گروپ اندازہ پیش کر رہا ہے کہ اگلی صدی تک یہ فرق 4 ارب تک پہنچ جائے گا۔۳۵

منصوبہ بندی کی آڑ میں نسل کُشی کی مہم

لیاگن ایشیائی ممالک کے امریکی مفادات کے تابع حکمرانوں کی بے چینی کی وجہ سے بہبود آبادی کے پروگراموں کی آڑ میں نسل کشی کے انتہائی بھیانک منصوبوں سے نقاب اتارتی ہیں اور ہم ان پروگراموں پر عمل درآمد کرانے میں پیش پیش ہیں۔ جو کم جابرانہ پروگرام ہیں ان کی وجہ سے بھی دنیا بھر کی صحافی برادری اور طب وصحت کے حلقوں میں تند وتیز بحث چھڑی ہوئی ہے۔ 'ڈالکن شیلڈ' ایک مانع حمل آلہ ہے کہ جب اندام نہانی میں داخل کر دیا جائے تو عارضی بانجھ پن پیدا کرتا ہے۔ 1970ء کی دہائی میں اس کی وجہ سے امریکہ میں بہت سی اموات ہوئیں اور یہ ایک تاریخی عدالتی فیصلے کا موضوع بنا۔۳۶

اس پر بھی اسی طرح کے لاکھوں کروڑوں اختراعی آلات امریکہ سے برآمد کیے جاتے ہیں۔ بالعموم ترقی پذیر ممالک میں انہیں تقسیم کیا جاتا ہے اور ان کے استعمال میں ممکنہ خطرات سے بھی ان لوگوں کو آگاہ نہیں کیا جاتا جو انہیں استعمال کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہوتے ہیں۔۳۷

۳۴۔ Whelan, Choices in Childbearing, 29

۳۵۔ The Population Council News Release, "Impact of Family Planning Programs in Developing Countries" is Assessed in New Study by Population Council Researchers,24,1991 199January

۳۶۔ See Morton Mintz," The Dalken Shield A Troubled Legacy",Washington Post.7 April 1985,AL

۳۷۔ ''ایڈ'' کے آفس پریس ریلیشنز کا ایک پریس ریلیز (Highlights of USAID Population Program) جو ۱۹۸۹ء میں تیار ہوا اور کم از کم ۱۹۹۰ء کے ابتدائی مہینوں میں تقسیم ہوا، بڑے فخر سے دعویٰ کرتا ہے کہ ترقی پذیر دنیا میں زیر استعمال مانعات حمل کا تین چوتھائی ''ایڈ'' مہیا کرتا ہے۔ جس میں ۵ کروڑ سے زائد تو صرف IUD ہوتی ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں ''ایڈ'' کے مرکز برائے آبادی نے انٹرنیشنل پلینڈ پیرنٹ ہوڈ فیڈریشن کو ایک خط لکھا جس میں گروپ کو مشورہ دیا گیا تھا کہ ''ہمارے خیال میں اکثر و بیشتر خاندانی منصوبہ بندی پروگرام سروس کے لیے کئی طرح کی طبی رکاوٹیں کھڑی کر دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس سے پروگرام کی اثر اندازی کے لیے مشکل پیدا ہوتی ہے ....''''ایڈ'' کے اس خط میں جس کا حوالہ MS میگزین (نومبر، دسمبر ۱۹۹۱، ۱۵) میں دیا گیا ہے، کچھ زیادہ ہی نصیحتیں' پلائی گئی ہیں اور ''طبی رکاوٹوں'' کی فہرست میں جس سے پاپولیشن کنٹرول پراجیکٹوں کی رفتار سست پڑتی ہے ''دقیانوسی طبی سوچ'' شامل ہے۔ بحوالہ:۔ ایلز بتھ لیاگن، خاندانی منصوبہ بندی، ص: ۱۷۴

خاندانی منصوبہ بندی کے ان مہلک ہتھیاروں کے خلاف تحقیقی رپورٹس شائع ہوتی ہیں تو انہیں دبا دیا جاتا ہے۔ ہم نے ویمن اینڈ فیملی کمیشن کے زیر اہتمام ایک رپورٹ شائع کی کہ ان مانع حمل دوائیوں اور اسقاط کا عورتوں اور خاندانوں اور معاشروں پر کتنے مہلک اور خطرناک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

نور پلانٹ (Norplant) ایک مانع حمل اختراعی آلہ ہے جسے سرجری کے ذریعہ خاتون کے بازو میں جلد کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق معلوم ہے کہ کئی طرح کی پیچیدگیوں کا باعث بنتا ہے۔ کئی رپورٹس اور شکایات ہیں کہ بعض استعمال کنندگان کو ضعف و ناتوانی کی شکایت ہوئی لیکن خاندانی منصوبہ بندی کے 'نگرانوں' نے وہ آلہ جلد کے نیچے سے ہٹانے سے انکار کیا۔ ۳۸ے

ٹیکے (Injectables) جو زیادہ عرصہ کام کرنے والی مانع حمل دوائیں ہیں، کے متعلق بھی متعدد شکایتیں ہیں اور یہ سلسلہ 1970ء کی دہائی سے جاری ہے لیکن پھر بھی یہ دوائیں 'خاندانی منصوبہ بندی' کی عالمی کوششوں کی بنیاد ہیں۔ ۳۹ے

پھر منع حمل کے بہت سے تجرباتی طریقے ہیں جنہیں انتہائی کم ترقی یافتہ ممالک میں مفلوک الحال خواتین پر استعمال کرتے ہوئے من مانی (arbitrary) خوراکیں دی جاتی ہیں۔ ان غریب عوتوں کو اس قانونی ہرجانے کی سہولت ملنے کا کوئی امکان نہیں جو لاپرواہی سے زخم پہنچانے کی صورت میں مغرب کی خواتین حاصل کرتی ہیں۔ نہ ہی امکانی طور پر مہلک پیچیدگیوں کی صورت میں طبی امداد اور علاج ان عورتوں کے دسترس میں ہے۔ نئے طریقوں میں جن پر طبی تجربات ہو رہے ہیں، ایک 'دافع حمل ویکسین' ہے جس کا اثر سال بھر رہتا ہے۔ ابھی اس کے عواقب و نتائج کا کچھ پتہ نہیں اس کے باوجود یہ ویکسین تجرباتی طور پر 1985ء کے بعد سے بھارت میں زیر استعمال ہے۔ ۴۰ے

کینا کرائن (quinacrine) ایک اور ایسی ہی دوا ہے جس نے کافی دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ نسوانی اندام نہانی میں داخل کر دینے سے اندرونی جلد اتنی جل جاتی ہے کہ مستقل بانجھ پن پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس سے امیدیں ہیں کہ مستقل بانجھ پن کے لیے غیر سرجیکل طریقے کے طور پر اس کی بڑی مانگ رہے گی۔ یہ حقیقت 'انٹرنیشنل جنرل آف گائینوکالوجی اینڈ آبسٹیٹرکس' میں 1989ء کے ایک تشریحی جائزہ تیار کرنے والوں سے پوشیدہ نہ تھی جنہوں نے زور دے کر یہ بات کہی کہ

۳۸۔ دیکھیے "نور پلانٹ کی قیمت ہے ۲۰۰۰ ٹکہ۔ تم اسے اتار نہیں سکتے۔ بنگلہ دیش میں نور پلانٹ کے تجربہ میں گاہک کے بازو سے اتارنے سے انکار کر دیا جاتا ہے۔" Issues in Reprodiuctuve and Genetic Engineering (1991ء):45,46
4 no 1 پہلے پہل تیار کردہ از ہیومن رائٹس گروپ UBING (۳/۵ بابر امہان پور، رنگ روڈ شیمولی، ڈھاکہ ۱۲۰۷، بنگلہ دیش)
بحوالہ: ایلزبتھ لیاگن، خاندانی منصوبہ بندی، ص: ۱۷۴

۳۹۔ Barbara Ehrenreich, Mark Dowie and Stephen Minkin,"The Change: Genocide The Accused: The U.S, Government", Mother Jones November 1979,26-38

۴۰۔ Associated press, "Birth Control Vaccine Is Reported in India," Boston Globe,10 October,1992

مذکورہ دوا میں یہ صلاحیت ہے کہ اس سے بھارت میں سالانہ 10 لاکھ نسوانی نس بندیوں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔[۴۱]

'کینا کرائن' کے بہت سے مضر اثرات معلوم ہوئے ہیں۔ ان میں اہم ترین زہریلا دماغی عارضہ ہے۔ یہ گویا کیمیاوی طور پر پیدا کردہ پاگل پن ہے۔[۴۲]

اس نئی ٹیکنالوجی نے کچھ او خدشات بھی ابھارے ہیں جن میں ایک یہ امکان ہے کہ ایک بار یہ ضبط حمل کے ذریعے کے طور پر عام ہوجائیں تو RU-486 'اسقاط حمل کی گولی' کی طرح خواتین کے علم یا اجازت کے بغیر بہ آسانی ان پر استعمال ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ کئی ایسے قرینے اور اشارے ملتے ہیں کہ اکیسویں صدی میں 'تنظیم آبادی' کے ہتھیار یہی ہوں گے۔[۴۳]

لیا گن خاندانی منصوبہ بندی کے نظام پر خرچ کی ہوئی رقوم کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> ''اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ یہ حقیقت ہے کہ تحدید آبادی پر کافی بڑی رقوم ان پیش گوئیوں کے پس منظر میں خرچ کی جا چکی ہیں کہ ترقی پذیر دنیا 'ایڈز' (AIDS) سے متعلق آبادی میں کمی کے خطرے سے دوچار ہے۔ 'یوایس ایڈ' کے آفس پریس ریلیشنز کے 1989ء میں تیار کردہ ایک حقائق نامہ کے مطابق ریگن انتظامیہ نے کم ترقی یافتہ ممالک میں خاندانی منصوبہ بندی اور تحدید آبادی کی سرگرمیوں کے لیے اندازاً 3 بلین ڈالر مختص کیے۔ یہ رقم جانسن، نکسن، فورڈ اور کارٹر کے ادوار میں اسی مقصد کے لیے خرچ شدہ کل رقم سے کئی گنا زیادہ ہے۔ یہ عین اس وقت ہوا جب ایڈز کی وبا ہوش ربا انداز میں پھیل رہی تھی۔''[۴۴]

امریکی کانگریس کی ایک رپورٹ کے الفاظ میں ایشیا کے بعض حصوں میں مرض کا یہ پھیلاؤ ''تیسری دنیا کے ممالک کے قلب اقتصاد پر مہلک وار'' کی طرح تھا۔[۴۵]

افریقہ کے متعلق بعض مطبوعہ اندازے ہیں کہ اس مرض کے نتیجے میں فی الحقیقت آبادی میں کمی واقع ہوسکتی ہے۔

۴۱۔ See, Prospects for Non Surgical Female Sterilization", International Journal of Gynaecology and Obsterics 29, no 1 (May 1989):14

۴۲۔ See Robert G Wheeler " Delivery Systems for Applying Quinacrine as a Tubal Closing Agent" in Female Trancervical Sterilization Proceedings of an International Workshop on Non Surgical Methods for Female Occulusion Chicago, Illinois, June 22-23,1982, ed G.I.Zatuchni et al (New York 1983),112-113

۴۳۔ ایلزبتھ لیا گن:۔ خاندانی منصوبہ بندی، طاقت، سیاست ارو مفادات کا عالمی کھیل، ص۔١٧٦

۴۴۔ See fact sheet distributed in February 1990 by AID Office of Press Relations, Highlights of USAID Population Programs"

۴۵۔ Sec Rep, Jim Mc Dermott, co-Chair, International AIDS Task Force "Report to the Speaker of the House of Representatives: The AIDS Epidemic in Asia " 6June,1991

اس امکان کی طرف کئی اور دستاویزات بھی اشارہ کررہی ہیں۔

'نیچر' نامی رسالے میں برطانوی محققین کی شائع شدہ ایک مطالعہ کے مطابق ایڈز کا مرض افریقہ کی آبادی کے دھماکہ خیز پھیلاؤ کو ختم کرسکتا ہے۔ مطالعہ کہتا ہے کہ افریقہ میں یہ مرض اتنی تیزی سے پھیل رہا ہے کہ جو علاقے بری طرح متاثر ہوئے ہیں وہاں چند دہائیوں کے اندر آبادی میں اضافے کی بجائے حقیقی کمی ظاہر ہوسکتی۔۴۶

امریکی محکمہ دفاع کا 1988ء کا ایک آبادیاتی مقالہ ایڈز کے اثرات ونتائج کا حوالہ دے کر اندازوں کی خامی واضح کرتا ہے۔ ''آبادی کا مطالعہ، اقتصادیات کے بڑے شعبہ کی طرح، کافی گمراہ کن ثابت ہوسکتا ہے کیونکہ یہاں قابل تعین اعداد وشمار کو ہوشیاری سے آگے پیچھے کرکے نتیجہ اخذ کرنا ہوتا ہے۔ جو مشکل کام ہے ....البتہ آبادی کے ان اعداد وشمار کے معیار میں کافی فرق ہوسکتا ہے۔'' اس کی حدود کی نمائندہ مثال ایڈز کا مرض ہوگا۔۴۷

عالمی ادارہ صحت کا اندازہ ہے کہ دنیا میں 5 سے 10 ملین افراد اس وائرس سے متاثر ہیں۔ یہ تعداد 1991ء تک بڑھ کر 100 ملین تک ہوسکتی ہے۔ بعض تجزیہ نگار دلیل دیتے ہیں کہ اگر 100 ملین یا دنیا کی 2 فیصد آبادی مرض کا شکار ہو تو 1990ء کی دہائی میں اس کے ہاتھوں اموات 50 ملین تک ہوسکتی ہیں۔ اس کے بعد متاثرہ افراد کی تعداد کئی گنا زیادہ ہوجانے کا امکان ہے جس سے بعض ممالک 10 سے 20 برس کے اندر صفحہ ہستی سے نابود ہوجائیں گے۔۴۸

یعنی ایڈز جیسی بیماری سے ایک طرف تو قوموں کی قومیں ختم ہوجائیں گی اور دوسری طرف ترقی یافتہ مغربی ممالک میں شرح پیدائش میں کمی کی وجہ سے آئندہ دنیا کا منظر نامہ اس طرح سے بن جائے گا کہ یورپی اقوام کے 5 نوجوانوں کے بالمقابل 95 عرب، ایشیائی، افریقی اور لاطینی امریکہ کے نوجوان ہوں گے۔ ویسے تو پوری دنیا میں حقوق نسواں کا شور مچایا جاتا ہے مگر جو حال تحدید آبادی کی خاطر عورت کا کیا جا رہا ہے اور جن اذیتوں اور تکالیف سے اس دوران وہ دوچار ہوتی ہے اس کا اندازہ ان بنگلہ دیشی عورتوں کی کہانیوں سے ہوتا ہے جس کو لیاگن نے رپورٹ کیا ہے۔ پھر ہر وقت سامنے رہنے والا 'صنفی مسئلہ' ہے۔

اگر 'آبادی کا طوفان' دیکھ کر بھی منصوبہ بندی اور ترقیات کی وزارتیں پیدائش اطفال میں کمی لانے کے اہداف میں سست گام ہوں، تو صحت سے وابستہ حکام سے یہ تکرار کہا جاتا ہے کہ خواتین کی مانعات حمل کی فراہمی یقینی بنائیں تاکہ انہیں 'فیصلوں' پر اختیار حاصل رہے۔ لازمی بات ہے کہ اگر کافی تعداد میں خواتین بار بار اور موثر طور پر بچوں کی تعداد کم رکھنے کا

۴۶۔ International Dateline, May 1992, International Dateline is the news letter for Population Commissions International, New York.

۴۷۔ Gregory D Foster et al, Global Demographic Trends to the year 2010, Implications for U.S, Secretary" The Washington Quarterly 12 n. 2(Spring 1989):23

۴۸۔ Gregory D Foster et al, Global Demographic Trends to the year 2010, Implications for U.S, Secretary" The Washington Quarterly 12 n. 2(Spring 1989):23,24

اختیار حاصل کریں گی تو تحدید آبادی کے مقاصد بھی حاصل کر لیے جائیں گے، خواہ خصوصی آبادی پالیسیاں موجود بھی ہوں۔ البتہ ریکارڈ یہ بتاتا ہے کہ خواتین کے حقوق کا سوال آبادی کے ایجنڈے پر زیادہ نمایاں نہیں۔

ذیل میں بیان شدہ تین بنگلہ دیشی خواتین کی کہانیاں پیش نظر رکھیے جنہوں نے بانجھ پن کے پروگراموں سے 'فائدہ اٹھایا' تھا۔

(الف) آپریشن والے کمرے میں .... مجھے سو جانا چاہیے تھا لیکن میں سو نہ سکی۔ میں بے ہوش بالکل نہ تھی۔ چونکہ میں خوفزدہ تھی اس لیے میں نے درخواست کی کہ آپریشن نہ کیا جائے .... میں ہوش میں رہی اور ہر بات دیکھ اور محسوس کر سکتی تھی۔ میں نے انہیں کہا کہ مجھے بے ہوشی کی مزید دوا دیں تا کہ میں بے سدھ ہو جاؤں .... ڈاکٹر نے میری التجا نہ سنی، میں دیکھ رہی تھی کہ انہوں نے میرے پیٹ کے نچلے حصے کا آپریشن شروع کر دیا۔ میری نسیں (tubes) باہر نکال کر کاٹ دی گئیں۔ میں درد سے چیخ پڑی، لیکن ڈاکٹر رُکا نہیں۔ بالآخر اس نے کہا: ''آپریشن ہو چکا۔'' انہوں نے کہا کہ میں خود اتر اور چل کر زمین پر لیٹ جاؤں .... میں نے ساری رات سخت تکلیف اور کرب میں گزاری .... مجھے اب بھی کئی طرح کی پیچیدگیاں لاحق ہیں۔ میں سخت پریشان اور خون کا شکار ہوں ....

(ب) میں ربیعہ نامی گاؤں کی دائی کے ہمراہ نس بندی (بانجھ پن) کا آپریشن کرانے گئی .... یہ بارہ برس پرانی بات ہے۔ میرا سب سے چھوٹا بچہ 2 برس کا تھا۔ میں اتنی جلدی نس بندی نہیں چاہتی تھی لیکن میرے خاوند نے دھمکی دی کہ اگر میرا ایک اور بچہ ہوا تو وہ مجھے بھیک مانگنے کے لیے گھر سے نکال دے گا۔ چنانچہ میں اس کا فیصلہ ماننے پر مجبور تھی۔ میرے خاوند نے ڈھاکہ تک میرا اور میرے سب سے چھوٹے بچے کا جانے کا بندوبست کیا .... میز پر انہوں نے مجھے ایک انجکشن لگایا اور نگلنے کے لیے گولی دی۔ مجھ پر ان کا کوئی اثر نہ ہوا .... مجھ پر ایک سفید چادر ڈالی گئی۔ پھر مجھے پتہ نہیں چلا کہ کیا ہوا .... بعد دوپہر 5 بجے میں ہوش میں آئی .... میں کچھ کھا پی نہیں سکتی تھی۔ بس اپنے بیٹے کا پوچھتی رہی .... میرے بیٹے کو ایک دوسرے کمرے میں رکھا گیا تھا۔ وہ سخت خوفزدہ تھا اور سارا وقت روتا رہا تھا۔ اگلے دن میں واپس گھر چلی آئی۔ میرا بچہ سخت بیمار پڑ گیا اور بعد میں مر گیا۔ مجھے کئی اضافی تکلیفیں شروع ہو گئیں .... آپریشن کے بعد انہوں نے مجھے ایک کارڈ دیا کہ میں ماہانہ صابن (دوٹکیاں)، تیل اور گندم لے جایا کروں۔ پہلے مہینہ انہوں نے مجھے بسکٹ بھی دیے، لیکن بس ایک بار۔ اس کے بعد مجھے کبھی کچھ نہیں ملا۔

(ج) جب میرا سب سے چھوٹا بچہ 6 ماہ کا تھا تو خاندانی منصوبہ بندی کی کارکن کلثوم مجھے آپریشن کی ترغیب دینے آئی۔ میرا میاں دہاڑی دار مزدور تھا اور اس کی آمدنی گھر چلانے کے لیے ناکافی تھی .... خاندانی منصوبہ بندی کی کارکن نے مجھے بتایا کہ وہ میرے لیے راشن کارڈ کا انتظام کر دے گی کہ مجھے ہر ماہ گندم ملتی رہے۔ ایک دن وہ مجھے پاکولا ہسپتال لے گئی .... میں نے دیکھا کہ عورتیں .... خوف سے چیخ چلا رہی ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ ڈاکٹر ان عورتوں پر بہت ناراض ہو رہا تھا، بلکہ اس نے ایک کے منہ پر تھپڑ بھی مارا۔ میں نے ڈاکٹر کو بتایا کہ میں آپریشن کے لیے تبھی راضی ہوں گی اگر مجھے پوری طرح بے ہوش کر دیا جائے۔ میں نے انہیں دھمکی دی کہ اگر میرے ساتھ

بھی باقی عورتوں والا سلوک کیا گیا تو میں واپس گاؤں جا کر سب کو بتادوں گی کہ میں نے آج کے دن کیا دیکھا ہے ....اگلی صبح میں ہوش میں آئی۔ میں نے اپنے بیٹے کو روتے سنا۔ میں نے پوچھا: کیا اس نے کل رات سے کچھ کھایا پیا ہے؟ حقیقتاً انہوں نے بچے کو کچھ بھی نہیں دیا تھا۔ دس روز بعد میں ٹانکے کٹوانے گئی۔ لیکن ٹانکوں پر زخم ہوگیا تھا۔ ایک ماہ بعد آپریشن والے مقام سے بدبو آنے لگی .... مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ زخم ایک سوراخ سا لگ رہا تھا۔ میرے آپریشن کو 9 سال ہوگئے ہیں۔ مجھے کئی طرح کی پیچیدگیاں لاحق ہیں۔ اب مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے بانجھ پن کا فیصلہ کیوں کیا۔ میری آمادگی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ کلثوم نے مجھے یہ بتایا تھا کہ نس بندی کا سٹیفکیٹ دکھاؤں گی تو مجھے گندم ملے گی۔ میں نے سٹیفکیٹ لمبے عرصے تک سنبھالے رکھا لیکن مجھے گندم کبھی نہیں ملی۔ ۴۹؎

جو ذلت اور خواری ہم دیکھ رہے ہیں یہ ان ممالک میں عام ہے جن میں بہبود آبادی کے پروگرام چل رہے ہیں۔ یہ ممالک امداد کی آڑ میں اپنی اقوام کا بدترین استحصال کر رہے ہیں۔ ۵۰؎

انسانوں کے درمیان واقع ہونے والی عظیم تقسیم اور نزاعات کا اہم ترین سبب ثقافتی ہوگا۔ دنیا کے معاملات میں قومی مملکتیں بدستور سب سے طاقتور عامل کے طور پر موجود ہوں گی لیکن عالمی سیاسیات کے بنیادی مناقشے ان اقوام اور گروہوں کے درمیان برپا ہوں گے جو ایک دوسرے سے تہذیبی طور پر مختلف ہوں گے۔ لیکن تہذیبوں کا ٹکراؤ عالمی سیاست پر چھا جائے گا۔ ۵۱؎

ایلزبتھ لیاگن کی تقریباً 2 دہائیوں پر پھیلی اس عرق ریزی کے نتیجے میں جو اس نے ہزاروں صفحوں کی دستاویزات سے اپنی رپورٹ مرتب کی اور جس کی اشاعت پر پابندی بھی لگ چکی ہے۔ جس کے خلاف انہوں نے جدوجہد کی اور اس رپورٹ کو منظر عام پر لائیں۔ اس سے دنیا کی محکوم آبادی کو یہ آگاہی ملتی ہے کہ ''تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں'' مغربی طاقتیں ہمارے لیے جو جال بنتی ہیں ہم اپنے بے حمیت حکمرانوں کی وجہ سے اس میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں کوئی ایسا مدبر نہیں پایا جاتا جو غیر ملکی امداد کے ساتھ، جو تہذیبی خطرات سامنے آتے ہیں ان کا پہلے سے ادراک کر سکے۔ ہم آنکھیں بند کر کے ان کے بنائے ہوئے کھیل کے میدان میں کھیلتے رہتے ہیں یہاں تک کہ تباہی کا ہرکارہ ہمارے سامنے آموجود ہوتا ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے بظاہر بے ضرر سے پروگرام کی آڑ میں جو کھیل شروع ہوا تھا وہ اب (Mass Genocide) یعنی بڑے پیمانے پر قتل عام تک جا پہنچا ہے۔ اسی لیے جب حال ہی میں صوبہ سرحد میں 40 لاکھ لوگ بے گھر

۴۹۔ بنگلہ دیش کی ان تین خواتین کی کہانیاں ان تجربات سے لی گئی ہیں جو عورتوں کو فیملی پلاننگ کے ضمن میں بنگلہ دیش کے ہسپتالوں میں پیش آئے۔ یہ (ریکارڈ شدہ ٹیپ سے) لفظاً حرفاً منتقل کر کے ''ناری گرنتھا پر ابھارتنا'' (Violence of Population Control(Dhaka B.D,1999

۵۰۔ بحوالہ:۔ ایلزبتھ لیاگن، خاندانی منصوبہ بندی، طاقت، سیاست اور مفادات کا عالمی کھیل، ص: ۱۸۵

۵۱۔ Samuel P.Huntington"The Clash of Civilizations",Foreign Affairs 72, no.3(Summer 1993).22

ہوئے اور میں کیمپوں میں جا کر کام کرتی رہی تو یہی علم ہوا کہ اس علاقے کو اس لیے خاص طور پر نشانہ بنایا گیا ہے کہ یہاں ہر دس میں 4 عورتیں حاملہ تھیں اور اکثریتی تعداد بچوں اور نوجوانوں کی تھی۔ بوڑھے لوگ کم ہی نظر آتے تھے۔مغرب میں یہ تناسب الٹ گیا ہے۔ وہاں بچوں اور نوجوانوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے اور آبادی بوڑھی ہوتی جا رہی ہے جس سے ان کی معاشیات کا مسئلہ بھی گھمبیر ہوتا چلا جا رہا ہے۔

ہمیں ان شماریات کی آگاہی کے بعد اپنے مستقبل کے لیے غور وفکر کے لیے سنجیدہ اقدامات اٹھانے ہوں گے ورنہ ''داستان تک نہ ہوگی داستانوں میں !!''

تہذیب جدید کے خودغرضی پر مبنی رجحانات

بہبود آبادی اور صحت کی سہولتوں کی فراہمی کے اداروں کی آڑ میں ضبط ولادت کی قومی تحریک بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ چلائی جا رہی ہے اور اس کی وجوہات کا جب تجزیہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کثرت عیال اور قلت مال تحدید آبادی کا بنیادی سبب نہیں ہے بلکہ معیار زندگی کی بلندی جائداد کو چھوٹے حصوں میں تقسیم سے بچانا اور ذمہ داریوں سے فرار اہم وجوہات نظر آتی ہیں۔

نصف صدی قبل مولانا مودودیؒ نے جدید تہذیب کے رجحانات کو دیکھتے ہوئے کہا تھا کہ جدید تہذیب وتمدن نے بھی ایسے اسباب فراہم کر دیے ہیں جو افزائش نسل سے عام نفرت پیدا کرنے والے ہیں۔انھوں نے فرمایا تھا:

> ''مادہ پرستی نے لوگوں میں انتہا درجے کی خودغرضی پیدا کر دی ہے۔ ہر شخص اپنی آسائش کے لیے زیادہ سے زیادہ اسباب فراہم کرنا چاہتا ہے اور پسند نہیں کرتا کہ اس کے رزق میں کوئی دوسرا حصہ لے، خواہ وہ اس کا باپ، بہن، حتیٰ کہ اولاد ہی کیوں نہ ہو۔ امیروں اور دولت مندوں نے نفس پرستی کے لیے عیش وعشرت کے بے شمار طریقے اور سامان ایجاد کر دیے ہیں جن کو دیکھ دیکھ کر اوسط اور ادنیٰ درجہ کے لوگ بھی ان کی ریس کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے اسباب عیش لوگوں کے لیے لوازم حیات بن گئے ہیں اور لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ان چیزوں کے بغیر وہ کسی طرح جی نہیں سکتے۔ اس چیز نے معاشرت کے معیار کو اتنا بلند کر دیا ہے کہ ایک قلیل المعاش آدمی کے لیے اپنے ہی نفس کے تمام مطالبات کو پورا کرنا مشکل ہو جاتا ہے کجا کہ وہ بیوی اور اولاد کی ضروریات کا بھی کفیل ہو سکے۔''[۵۲]

ضبط ولادت کی تحریک کے حوالے سے عورتوں میں پائے جانے والے رجحانات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عورتوں میں تعلیم، آزادی اور مردوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط نے ایک نئی ذہنیت پیدا کر دی ہے جو فطری وظائف سے ان کو روز بروز منحرف کرتی چلی جا رہی ہے۔ وہ گھر کی خدمت اور بچوں کی پرورش کو ایک گھناؤنا کام سمجھتی اور اس سے جی چراتی ہیں۔ ان کو دنیا کی ہر چیز سے دلچسپی ہے مگر نہیں ہے تو گھر اور اس کے کام کاج اور بچوں کی نگہداشت سے۔ بیرون خانہ کے لطف چھوڑ کر اندرونِ خانہ کی کلفتیں برداشت کرنا وہ حماقت سمجھنے لگی ہیں۔ مردوں کے لیے جاذب نظر بننے کے لیے وہ لاغراندام، نرم و نازک، حسین اور جوان بنی رہنا چاہتی ہیں۔ ان اغراض کے لیے وہ زہریلی دوائیں تک کھا کر جان دے

۵۲۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلام اور ضبط ولادت، ص ۱۹

دے سکتی ہیں۔مگر بچے جَن کر صحت خراب کرنا پسند نہیں کرتیں۔ کروڑ ہا روپیہ اپنے بناؤ سنگھار اور اپنے لباس پر خرچ کر سکتی ہیں مگر بچوں کی پرورش کے لیے ان کے بجٹ میں گنجائش نہیں نکلتی۔۵۳؎

نئے دور کے نئے تقاضے مردوں کو اپنی کفالت کی ذمہ داریوں اور عورتوں کو تخلیق اور تربیت کی ذمہ داریوں سے ناآشنا کر رہے ہیں۔ تہذیب وتمدن نے انتہا درجہ کی نفس پرستی پیدا کردی ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ لذت حاصل کریں مگر اس لذت کے ساتھ جو نتائج اور ذمہ داریاں فطرت نے مقرر کی ہیں ان سے بچے رہیں۔ زمانہ حمل اور اس کے بعد بچوں کی پرورش سے اپنے عیش کو کرکرا کرنا انہیں ناگوار ہوتا ہے۔ زمانہ حمل کی تکالیف اکثر عورتوں کو اس قابل نہیں رکھتیں کہ وہ گھر کے باہر کچھ زیادہ جسمانی یا دماغی محنت کرسکیں۔ خصوصاً حمل کے آخری زمانے میں تو ان کے لیے چھٹی لینا ضروری ہے۔ پھر وضع حمل کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی کچھ مدت تک وہ کام کرنے کے قابل نہیں ہوسکتیں۔ اس کے بعد بچے کو دودھ پلانا اور کم از کم تین چار سال تک اس کی نگرانی، حفاظت اور تربیت کرنا ایسے حالات میں کسی طرح ممکن نہیں ہے جب کہ ماں کو باہر جا کر نوکری کرنی ہو۔ نہ تو ماں اپنے شیر خوار بچے کو دفتر یا کارخانے میں لے جاسکتی ہے، نہ اپنی قلیل معاش میں اتنی گنجائش نکال سکتی ہے کہ بچہ کی نگہداشت کے لیے نوکر رکھ لے۔ اور اگر وہ اپنے ان فطری وظائف کو انجام دینے کے لیے ایک کافی عرصہ تک بے کار رہے تو بھوکی مرجائے یا شوہر کے لیے ناقابل برداشت بار بن جائے۔ اس کے علاوہ جس کی وہ ملازم ہے وہ بھی گوارا نہیں کرسکتا کہ وہ بار بار کئی مہینے کے لیے رخصت لیتی رہے۔ غرض ان اسباب سے عورت اپنی فطری خدمت سے اعراض کرنے پر مجبور ہوجاتی ہے اور پیٹ کی ضروریات اس کے ان زبردست جذبات کو سرد کردیتی ہیں جو فطرت نے ماں بننے کے لیے اس کے سینے میں ودیعت کیے ہیں۔۵۴؎

رب سے بیزار ہوتی ہوئی مادی دنیا نے توکل، قناعت اور غنا کی اعلیٰ صفات سے انسانیت کو محروم کردیا ہے اور وہ اللہ رب العالمین پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنی قوت بازو پر انحصار کرنے لگے ہیں۔ نتیجتاً پوری تہذیب اور معاشرت مادہ پرستی، سرمایہ داری اور ہوس کی غلام بن کر رہ گئی ہے اور جب یہ تہذیب اپنے کڑوے کسیلے پھل اور برگ و بار لانے لگی تو بجائے اس کے کہ بنیادی سبب کا علاج کیا جاتا، غلط علاج پر اصرار کرکے اس کے برے ثمرات سے بچنے کی کوشش کی جانے لگی۔ مغربی مفکرین اب جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے:

> ''یہ ناقابل انکار ہے کہ اگر ہمارا موجودہ معاشی نظام اور ہمارے اخلاقی معیارات تبدیل نہیں ہوتے تو آئندہ دو تین پشتوں میں تمام مہذب ممالک کی آبادی کے کردار میں خراب ترین تبدیلی بڑی تیزی کے ساتھ آئے گی اور مہذب ترین لوگوں کی تعداد میں موثر کمی واقع ہوگی ......اگر ہم اس نتیجے سے بچنا چاہتے ہیں تو ہم کو شرح پیدائش میں اپنی مروجہ منحوس انتخابیت (Selectiveness) کو کسی نہ کسی طرح ختم کرنا ہوگا۔''۵۵؎

اس طرح ضبط ولادت کی بدولت ایک طرف تو ملک کا طبقاتی توازن درہم برہم ہوجاتا ہے اور کارفرما عنصر آہستہ آہستہ ختم ہونے لگتا ہے۔ دوسری طرف اس کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ آبادی میں بچوں اور بوڑھوں کا تناسب بگڑ جاتا ہے اور اس

۵۳۔ اسلام اور ضبط ولادت، ص۲۰ ۵۴۔ ایضاً، ص۱۸ ۵۵۔ ایضاً، ص۲۸

کے معاشی وتمدنی اثرات بڑے دوررس اور بڑے پریشان کن ہوتے ہیں۔ بچوں کی تعداد اور کل آبادی میں ان کا تناسب کم اور بوڑھوں کی تعداد اور ان کا تناسب زیادہ ہوتے چلے جانے سے قوم میں نیا خون اپنی فطری رفتار سے نہیں آتا، بچوں کی کمی کی وجہ سے محض اشیائے صرف کی مانگ (Demand) ہی متاثر نہیں ہوتی، بلکہ پوری قوم میں حرکت اور عملیت کی جگہ جمود اور کاہلی راہ پانے لگتی ہے۔ خطرہ انگیز کرنے اور سر دھڑ کی بازی لگا دینے کا جذبہ کم ہوتا جاتا ہے اور قوم کا بڑا حصہ لکیر کا فقیر بن کر رہ جاتا ہے۔ یہ چیز رفتہ رفتہ ایک قوم کو علم، معیشت، سائنس اور دوسرے میدانوں میں ان قوموں سے بہت پیچھے کر دیتی ہے جن میں نئی نسل کی افزائش فطری رفتار سے ہوتی رہتی ہے اور نوجوانوں کی کثیر تعداد پوری قوم میں امنگوں کو بلند اور عزائم کو راسخ رکھتی ہے۔

مغربی ممالک میں ضبط ولادت کی بدولت جس رفتار سے بچوں اور نوجوانوں کا تناسب برابر کم ہو رہا ہے اور بوڑھوں کا تناسب بڑھ رہا ہے اس کے فطری اثرات ظاہر ہونے شروع ہوگئے ہیں جنہیں آج ہر صاحب نظر بچشم سر دیکھ سکتا ہے۔ مولانا محترم کے چشم بینا نے وہ تمام نتائج پہلے ہی دیکھ لیے تھے جن سے آج مغرب کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

مانع حمل گولیوں کے مہلک اثرات

ڈاکٹر رخسانہ جبیں جو ماہر امراض نسواں ہیں اور برسوں سے اپنا کلینک چلا رہی ہیں۔ انہوں نے اپنے ذاتی مشاہدات اور تحقیق سے مانع حمل ذرائع کے زہریلے اثرات کے متعلق بتایا:

وزیراعظم کا پروگرام برائے خاندانی منصوبہ بندی و بنیادی صحت کے ذریعے سے مہیا کی جانے والی مانع حمل گولیوں کے ضمنی مضر اثرات مصدقہ ہیں۔ اگر یہ گولیاں ماہر ڈاکٹروں کے ہاتھوں پوری احتیاط کے ساتھ دی جائیں تب بھی ان کے مضر اثرات سے نہیں بچا جا سکتا۔ ذیل میں ہم امریکہ اور یورپ میں کی گئی جدید تحقیق کی روشنی میں سامنے آنے والے مضر صحت اثرات کو بیان کرتے ہیں:۔

1۔ سر کا درد یا آدھے سر کا درد
2۔ متلی یا قے آنا
3۔ اعصابی بیماری میں اضافہ .Text Book of Adverse Drug Reactions Ed1985
Oxfordpress,NewYork)(Clinical pharmacology By Dilling P-423
4۔ خون کا جم جانا اور دل، جگر اور دماغ پر اس کے مہلک اثرات۔
5۔ فالج کا حملہ(Birth Pharmacopia, P-377)
6۔ ہائی بلڈ پریشر
7۔ ذیابیطس
8۔ دل کے دورے(Goodman Gillmann Pharmacology, P-1406)
9۔ جگر اور پتے کی بیماریاں(Clinical Pharmacology by Dilling P-421,422)

10۔ کینسر کا عام ہونا (Pharmacology by: Lippin Cott's'Ed:1992)

11۔ شرح اموات میں اضافہ، عام خواتین سے چار گنا (Clinical Pharmacology by Dilling,P-421)

12۔ دمہ

13۔ انفکشن کا خطرہ

14۔ موٹاپا

15۔ کیل مہاسے (Clinical Pharmacology by Dilling,P-424-432)

16۔ گنجاپن

17۔ خون کی کمی

18۔ رنگ کا سانولا ہونا (British Pharmacopi, P-376)

19۔ یرقان (Basic and Clinical Pharma katzung 6th Ed,P-621)

20۔ ڈپریشن اور نفسیاتی مسائل (Lippon Cott,Pharmacology,P-249)

21۔ ماہواری خرابی (Pharmacology by Dilling,P-424)

22۔ جنسی خواہشات میں کمی (British Pharmacopia, P-375)

23۔ آنکھوں کی مختلف بیماریاں

24۔ تھکاوٹ کا زیادہ ہونا (Pharmacology by Goodman Gillmann, P-1408)

25۔ وٹامنز کی کمی اور جسمانی کمزوری

26۔ پورے جسم کے اعضا کی کمزوری

27۔ پٹھوں اور جوڑوں کے درد

28۔ مضر اثرات میں نمبر ون گولیاں

29۔ گولیاں چھوڑنے کے بعد کئی سال تک مہلک اثرات

30۔ بیماریوں کی شناخت میں مشکل پیش آنا۔ مندرجہ ذیل لیبارٹری ٹیسٹ نارمل نہیں رہتے لہٰذا ماہر ڈاکٹروں کو بھی بیماری کی شناخت میں مشکل پیش آتی ہے۔

(1)-Thyroxin Binding Globulin. (2) Sex Hormone Binding Golobulin

(3)-Transferrin (4) Ceruloplasmin.(5) Testosterone

(6) Plasminogen (7) ESR

31۔ خون جمانے والے ہارمونز میں اضافہ

(i) Fibrinogen (ii)Clotting factors II, VII, VIII, IX, X

32۔خون میں چربی کی مقدار میں اضافہ

(i) Fasting Serum Triglycerides (ii) Low Denisity Lipoprotiens.

(iii) Cholesterol

33۔ دیگر ہارمونز میں اضافہ (i) Possitive Antinuclear Factor. (ii) Rhuematiod Factor

نمبر 30 سے 34 کے لیے حوالہ جات (Clinical Pharmacology by Dilling 1985,P-425)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مانع حمل گولیوں کے استعمال کے مضر اثرات جسم کے تمام اعضاء پر پڑتے ہیں، مثلاً دل، دماغ، جگر، سینہ، پٹھے، آنکھیں، جوڑ وغیرہ غرضیکہ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جو ان سے متاثر نہ ہوتا ہو۔ لہٰذا ان کو ادویات کہنا ہی سرے سے غلط ہے۔

یہ انسانی جسم میں قدرتی طور پر پیدا ہونے والے ہارمونز کا ایک بالکل غلط استعمال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ہارمونز انسانی جسم میں ایک خاص مقدار میں بنائے ہیں۔ اس ترتیب خاص میں رہیں تو انسان کا جسم حسین اور تندرست رہتا ہے۔ لیبارٹری میں یہ ہارمونز بنا کر زیادہ مقدار میں خواتین کو مانع حمل ادویات کے نام پر دیے جائیں تو ان کی صحت کو تباہ کر دیتے ہیں جس کا ثبوت خود اہل مغرب پیش کرتے ہیں۔[۵۶]

اب کچھ سوالات اہل درد اور ارباب عقل وفکر سے

☆۔ کیا واقعی بچوں کی پیدائش کو روکنا، پاکستان کی آنے والی نسلوں کو روکنا، عورتوں کی گود کو بچوں سے خالی کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا حکومت خیال کر رہی ہے؟

☆۔ کیا خاندانی منصوبہ بندی اور بچوں کی پیدائش کو بند کر کے ہمارے مسائل حل ہو جائیں گے؟

☆۔ کیا آنے والے بچوں کی پیدائش کو روکنے کے لیے حکومت عالمی سطح پر مسلمہ انسانی اور اخلاقی اصولوں کو پامال کر سکتی ہے؟

☆۔ کیا طبی اصولوں کی روشنی میں نہایت مضر صحت اور جان لیوا طریقوں کو عام سطح پر پھیلانا اور میڈیا کے زور پر ان پڑھ اور معصوم خواتین کو نقصانات بتائے بغیر مضر صحت طریقوں کے استعمال پر آمادہ کرنا درست اور جائز ہے؟

☆۔ کیا آنے والے بچے کی پیدائش کو روکنے کے لیے ایک زندہ اور موجود خاتون کی صحت کو نقصان پہنچانا درست اور جائز ہے؟

☆۔ کیا ضرر رساں طریقوں کو بے ضرر کہنا، لکھنا اور پیش کرنا عوام کے ساتھ دھوکا نہیں؟ حکومت کے تعاون سے چلنے والی این جی اوز، عوام کو اس طرح کا دھوکا کیوں دے رہی ہیں؟

☆۔ کیا خاندانی منصوبہ بندی کے وہ طریقے جو لیڈی ہیلتھ وزیٹر کے ذریعے سے اختیار کیے جا رہے ہیں، کوالٹی کے اس معیار پر پورا اترتے ہیں جو عالمی معیار سے یا صحت کے لیے کم از کم درکار معیار ہے یا جس کا حکومت دعویٰ

۵۶۔ ڈاکٹر رخسانہ جبین، خاندانی منصوبہ بندی اور اس کے مضمرات، منشورات منصورہ لاہور، ص ۲۵

کرتی ہے؟

☆۔ حکومت کے پاس اس امر کا کیا جواز ہے کہ معیاری تعلیم یافتہ اور تجربہ کار ڈاکٹرز اور لیڈی ڈاکٹرز کو نظر انداز کر کے نیم خواندہ لڑکیوں کو موقع دیا گیا ہے؟

☆۔ یہ پہلو بھی کم غور طلب نہیں کہ ایک طرف تو حکومت ڈاکٹروں کی کمی کا عذر کر کے نیم خواندہ لڑکیوں کو پاکستانی خواتین کی صحت سے کھیلنے کی اجازت دے رکھی ہے تو دوسری طرف میڈیکل کالجوں میں طلباء و طالبات کے لیے سیٹوں میں مسلسل کمی کرتی چلی آ رہی ہے تاکہ اعلیٰ تربیت یافتہ ڈاکٹروں کی مزید کمی ہو سکے۔ کیا واقعتاً ایسا نہیں ہے؟

☆۔ حکومت کی پالیسی کا یہ پہلو بھی کم حیران کن نہیں کہ آج پاکستان صرف میڈیکل کے شعبے میں دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے مساوی کوالٹی کے اعلیٰ تربیت یافتہ ڈاکٹر پیدا کر رہا ہے مگر اس کے باوجود میڈیکل کالجوں میں سیٹیں مسلسل کم کی جا رہی ہیں۔ آخر کیوں؟

یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک منصوبے کے تحت پاکستان کے اندر اعلیٰ صحت کا حقیقی تحفظ کرنے والوں کی مسلسل حوصلہ شکنی، پاکستان کی صحت کے حقیقی محافظ میڈیکل کالجوں میں معیار کی شکست و ریخت اور نیم خواندہ لڑکیوں کو مسلسل تحفظ دے کر پورے پاکستان کے بچے کھچے صحت کے معیار کو تباہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کوشش مسلسل کی جا رہی ہے۔

نومبر 1998ء میں لیڈی ہیلتھ ورکر کو Depo Provera مانع حمل ٹیکے بھی فراہم کر دیے گئے ہیں۔ ایک لیڈی ہیلتھ ورکر کو ہر ماہ دس ٹیکے دینے کا حکم ہے۔ ایک ٹیکے کی قیمت 130 روپے ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امریکہ میں تقریباً 22 سال تک 1970ء سے 1992ء تک، اس ٹیکے کا استعمال ممنوع تھا صرف اس لیے کہ اس سے عورت کے اندر بچے پیدا کرنے کی صلاحیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو سکتی ہے اور اس سے کینسر کی شرح میں بھی بہت زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

جہاں اس ٹیکے کو استعمال کرنے کی اجازت ہے وہاں میڈیکل کی مستند کتابوں کے مطابق عورت کی اس شرط کے ساتھ پیشگی اجازت لینا لازم ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ ٹیکہ استعمال کرنے کی وجہ سے آپ کے اندر بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ (Text Book of Pharmacology by Goodman Gillmann)

یاد رہے کہ لیڈی ہیلتھ ورکر کے نصاب کے مطابق یہ ٹیکے شامل نصاب نہیں بلکہ حدود سے تجاوز کرتے ہوئے کورس کا ایک مرحلہ مکمل ہونے کے بعد یہ ٹیکے مہیا کیے گئے ہیں۔ یہ بات بھی کم دلچسپ نہیں کہ ڈاکٹروں، بنیادی مراکز صحت اور ذہنی صحت کے انچارج صاحبان کو بھی یہ ٹیکے مہیا نہیں کیے گئے۔

☆۔ کیا کوئی اور ملک بھی خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے اس طرح کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو چکا ہے؟

بنگلہ دیش اپنی شرح پیدائش کم کرنے میں کامیاب ہو چکا ہے لیکن اس کامیابی نے اس کے معاشی و معاشرتی مسائل حل کرنے میں کیا مدد دی ہے؟ الٹا اس کی سیاست اور معیشت پر ہزاروں این جی اوز کا قبضہ ہو چکا ہے، جس کا

اعتراف وہاں کے اعلیٰ افسران کرتے ہیں۔

☆۔ کیا مانع حمل ذرائع کے وسیع پیمانے پر پھیلاؤ سے خاندانی نظام یا معاشرتی اخلاق پر کوئی فرق واقع ہوتا ہے؟اس سلسلے میں یورپی ممالک کے تجربات کیا بتاتے ہیں؟

☆۔ اگر واقعی مانع حمل ذرائع کے بے لگام استعمال سے خاندانی نظام متاثر ہوتا ہے تو کیا کوئی ایسا طریقہ بھی موجود ہے کہ خاندانی نظام بھی نہ ٹوٹے، متاثر نہ ہو اور خاندانی منصوبہ بندی کے طریقوں پر بھی محفوظ طریقے سے عمل کیا جاسکے؟

☆۔ خاندانی منصوبہ بندی کے پھیلاؤ یا مانع حمل ذرائع کے پھیلاؤ کو شادی سے منسلک نہ کرنے سے کیا زنا کاری میں اضافہ نہیں ہوگا؟ کیا غیر شادی شدہ افراد کا مانع حمل ذرائع کو اختیار کرنے کا واضح مطلب زنا کاری نہیں؟

☆۔ اسکولوں کے بچوں اور بچیوں تک مانع حمل ذرائع بالخصوص کنڈوم وغیرہ کا طریقہ سکھانا، سمجھانا اور دیر سے شادی کرنے کی ترغیب دینا، کیا ان سارے عوامل سے بغیر بچے پیدا کیے آزاد جنسی (Free Sex) معاشرہ وجود میں نہیں آئے گا؟ ایک ایسا معاشرہ جو ہمارے تمام آئینی، اخلاقی اور نظریاتی اساسات سے متصادم ہو، یا ہم واقعی یہ پسند کرتے ہیں کہ ہمارے بچے اور بچیاں بغیر شادی کیے جنسی طور طریقے اختیار کریں؟ اس سب کچھ کا مطلب کیا خاندانی منصوبہ بندی ہے؟ یا ہمارے معاشرے کی نظریاتی بنیادوں کو ہلا کر مغربی طرز پر قائم کرنا ہے؟ کیا ہم واقعی اپنے ہاں اس طرح کا معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں؟ اگر نہیں تو یہ عوام کے ساتھ دھوکہ دہی ہے۔ تمام اصولوں کو پامال کرتے ہوئے زبردستی ایک منصوبے کو کیوں چلایا جا رہا ہے؟

خاندانی منصوبہ بندی کے داعی مغربی آقا اپنے لیے جو پالیسی رکھتے ہیں اس کا اندازہ اس اخباری بیان سے ہوسکتا ہے:

> ''شادی شدہ جوڑوں کا زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنے کے لیے اعلیٰ سطح کی کونسل قائم کردی گئی ہے۔ جاپان میں بوڑھے زیادہ اور بچے اقلیت بن گئے۔ شرح پیدائش میں اضافہ کیا جائے گا۔ جاپانی حکومت کچھ عرصے سے زیادہ بچے پیدا کرنے پر زور دے رہی ہے۔''۵۷

اسی طرح ڈنمارک پاکستان کو خاندانی منصوبہ بندی کے لیے کروڑوں ڈالر کی امداد دیتا ہے اگر یہ خاندانی منصوبہ بندی اتنی ہی اچھی ہے تو اسی مقصد کے لیے یہ رقم اپنے ملک میں خرچ کیوں نہیں کرتا۔ اسی طرح یو این او ایسی امداد مغربی ممالک میں کیوں خرچ نہیں کرتی۔

امر واقعہ یہ نہیں ہے کہ کثرت آبادی کے سبب وسائل کم رہ جائیں گے بلکہ یورپ اور امریکہ کے لیے شدید ترین خطرہ ایک طرف مسلم ممالک کی عددی برتری ہے تو دوسری طرف یہ کہ مسلم ممالک کی آبادی کم ہونے کے سبب یہاں کے وسائل ہمارے کام آئیں گے بصورت دیگر وسائل یہیں استعمال ہوتے رہیں گے۔

۵۷۔ روزنامہ اوصاف، اسلام آباد، ۲۴ مئی ۱۹۹۹ء

خاندانی منصوبہ بندی کے اثرات کا اندازہ روزنامہ جنگ کے 10 اپریل 2001ء کی لندن ریڈیو رپورٹ کے حوالے سے بیان لگایا جاسکتا ہے جس کا عنوان ہے ''ایک بچہ پالیسی'' کا نتیجہ چین میں ہزاروں عورتیں اور بچے اغوا، اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک بچہ فی خاندان کی پالیسی نے کافی مشکلات پیدا کردی ہیں اس طرح مردوں اور خواتین کا تناسب بھی برقرار نہیں رہا اور اغوا کی گئی گئی عورتوں کو بطور بیوی خریدنے کی مانگ بڑھ گئی ہے۔ جنسی تجارت بھی بڑھ گئی ہے۔ کسان کھیتوں میں کام کرنے کو بھی لڑکے خریدنے لگے ہیں۔ ۵۸

انسانی حقوق اور شرف انسانیت کے تحفظ کے نقطۂ نظر سے بھی خاندانی منصوبہ بندی کی عالمی تحریک ایک نئے طرز کی غلامی اور محکومی کا نظام ہے۔ جس طرح ماضی کے غلاموں کو یہ حق نہ تھا کہ وہ اپنی مرضی سے شادی کریں اور خاندان آبادی کریں اسی طرح آزادی اور حقوق انسانی کے سارے دعوے کے باوجود خاندان کے دائرے میں جبر کے اس نظام کے تحت فرد سے اس کا حق چھینا جا رہا ہے اور اسے حکومت اور عالمی طاقتوں کے حکم کا تابع بنایا جا رہا ہے۔

امت مسلمہ کے معتبر دینی اور فکری قائدین اور امر پر تقریباً متفق ہیں کہ اگرچہ شریعت انفرادی حالات میں کچھ شرائط کے ساتھ اور شریعت کی نگاہ میں معتبر مصالح کی خاطر ضبط ولادت کی محدود اجازت دیتی ہے وہ بھی بہ اکراہ، مگر اس بات کا کوئی جواز نہیں کہ اسے ایک قومی تحریک کی طرح سرکاری سرپرستی میں زبردستی ترغیب کے سہارے ملک وملت پر مسلط کیا جائے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے حامی دنیا کی غربت و بدحالی کا سبب کثرت آبادی کو قرار دیتے ہیں۔ جبکہ انسانی مسائل کا سبب کثرت آبادی نہیں بلکہ انسان کی سخت دلی اور ظالمانہ بے حسی ہے۔ چنانچہ بی بی سی کی ایک رپورٹ کے مطابق جس دنیا میں ہر سال 35 ارب ڈالر کا بوتل بند پانی پیا جاتا ہے، اسی دنیا میں ایک ارب سے زائد افراد کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں جبکہ انہیں صرف 10 ارب ڈالر خرچ کرکے یہ سہولت فراہم کی جاسکتی ہے۔ یورپ سالانہ گیارہ ارب ڈالر کی آئس کریم کھا جاتا ہے لیکن دنیا کا ہر بچہ صرف ڈیڑھ ارب ڈالر کے ٹیکوں سے پانچ خطرناک بیماریوں سے محفوظ ہوسکتا ہے۔ اس طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ پالتو جانوروں کی خوراک پر شمالی امریکہ اور یورپ میں سالانہ 17 ارب ڈالر خرچ ہوجاتے ہیں اور اسی دنیا میں کوئی انسانوں کو ناکافی غذائیت ختم کرنے پر سالانہ 19 ارب ڈالر خرچ کرنے پر آمادہ نہیں۔ میک اپ اور پرفیومز پر لوگ ہر برس 33 ارب ڈالر صرف کردیتے ہیں جبکہ افریقہ کو ایڈز، قحط اور خانہ جنگیوں کے شکار بے گھروں کی آبادکاری کے لیے ہر برس صرف 25 ارب ڈالر کی ضرورت ہے۔ ۵۹

یہ اعداد وشمار خاندانی منصوبہ بندی کے حامیان کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہونے چاہئیں۔

کم بچے خوشحال گھرانہ کا نعرہ

اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں حریت فکر کے نام پر خاندانی منصوبہ بندی کی اس تحریک کا آغاز ہوا اور تمام

۵۸۔ بی بی سی رپورٹ، بحوالہ روزنامہ جنگ، ۱۰ اپریل ۲۰۰۱ء

۵۹۔ روزنامہ جنگ، ۴ جولائی ۲۰۰۵ء

اخلاقی وتمدنی نظریات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مسلسل دوصدیوں میں اس تحریک کوفروغ دیا گیا۔ اس تحریک کے فروغ میں معاشی خوشحالی،عملی اور تکنیکی وسعت نے بھرپور کردار ادا کیا۔ اس تحریک نے سب سے پہلے فرانس کوعروج سے زوال تک پہنچایا۔ فرانس کے سکالر مارشل پیٹاں نے خود جون 1940ء کی شکست کے بعد اعتراف کیا کہ ہماری یہ ذلت ہماری اپنی نفس پرستیوں کا نتیجہ ہے اور دنیا کے اہل بصیرت نے بالاتفاق اس کی شکست کے اسباب میں ایک اہم سبب اس کی شرح پیدائش کے مسلسل انحطاط کو قرار دیا ہے۔

دوسری قوم جو خاندانی منصوبہ بندی کا شکار ہوئی وہ برطانیہ ہے۔ مسٹر چرچل کے صاحبزادے رینڈ ولف چرچل نے اس وقت خطرے سے خبردار کر دیا تھا۔ ''میں نہیں سمجھتا کہ ہماری قوم بالعموم اس خطرے سے آگاہ ہو چکی ہے۔ اگر ہماری شرح پیدائش اسی طرح گرتی رہی تو ایک صدی کے اندر جزائر برطانیہ کی آبادی صرف 40لاکھ رہ جائیگی۔ اتنی کم آبادی کے بل بوتے پر برطانیہ دنیا میں ایک بڑی طاقت نہیں رہ سکتا۔'' رینڈ ولف چرچل شرح پیدائش میں کمی کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے۔ ''برطانوی لوگوں میں اپنے معاشرتی مرتبے کا خیال بہت زیادہ ہے اور وہ نہایت مبالغے کے ساتھ اپنے اس مرتبہ کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے ہاں قصداً افراد خاندان کی تعداد کم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے کیونکہ ایک بچے ایک دو سے زیادہ ہونے کی صورت میں انہیں خوف ہوتا ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اس شان کے ساتھ تعلیم گاہوں میں نہ بھیج سکیں گے جس کے ساتھ ان کے ہمسائیوں کے بچے جاتے ہیں اور اس سے معاشرت میں ان کی حیثیت گر جائے گی۔'' (یہی خیال ہمارے بڑے شہروں میں پایا جاتا ہے)۶۰

تیسری قوم اس وقت امریکہ ہے جو خاندانی منصوبہ بندی کا شکار ہونے جا رہی ہے۔ گزشتہ اقوام کے انجام کے پیش نظر بالا دست اقوام کی پوری کوشش ہے کہ وہ اپنی آبادیوں کو بڑھائیں اور دوسری کمزور اقوام کو بزور اپنی آبادیاں گھٹانے کا پابند بنائیں۔ اس مقصد کے لیے عالمی اداروں کے ذریعے پیسہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے اور اس کے اثرات بھی معاشرے میں واضح نظر آ رہے ہیں۔

تخفیف آبادی مہم اور خاندان

انگریزی ادب کے بے مثال ناول نویس،نقاد اور شاعر ڈیوڈ ہربرٹ لارنس (م 1930ء) نے لکھا ہے۔ ''اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شادی کی ہوتی تو مغربی دنیا سگمنڈ فرائڈ (1939ء) کے عذاب سے محفوظ رہتی اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تجارت کی ہوتی تو شاید کارل مارکس (م 1883ء) پیدا نہ ہوتا۔'' اس پر کسی ستم ظریف نے یہ اضافہ کیا ''اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جہاد کیا ہوتا تو شاید مغربی دنیا جرمن جنگ باز ہٹلر (م 1945ء) کا مزا نہ چکھتی۔'' اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ کے مصداق ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زراعت کے شعبے سے وابستہ ہوتے تو شاید برطانیہ میں مالتھس نہ پیدا ہوا ہوتا۔

مغربی دنیا کا معاملہ عجیب ہے۔ جرمن نژاد مارٹن لوتھر (م1546ء) پادری تھا اور وہ عیسائیت میں اصلاح کا خواہش

۶۰۔ کم بچے خوشحال گھرانہ، ماہنامہ چمن بتول، اپریل ۲۰۰۶ء

مند تھا، لیکن اس کی اصلاح مذہب کی تحریک بالآخر مذہب کی تردید پر منتج ہوئی۔ مالتھس بھی ایک مذہبی شخص تھا اور وہ افزائش نسل کے خلاف بھی نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ مولانا مودودیؒ (79-1903ء) کے بقول اس نے تخفیف آبادی کے لیے ایک طرح کے برہم چربے کا تصور پیش کیا، لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ یہ کہ مختلف حربوں کی بناء پر یورپ کی آبادی کم ہوتی چلی گئی اور وسائل بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ یورپ میں سفید فاموں کی بقاء کا سوال پیدا ہوگیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مذہب یا خاندان کا ادارہ شکست و ریخت کا شکار ہوگیا۔ اس سے اور باتوں کے علاوہ تخفیف آبادی اور خاندان کے ادارے کے باہمی ارتباط یعنی Corelation کی حقیقت عیاں ہو کر سامنے آئی ہے۔

تخفیف آبادی اور اس اعتبار سے ضبط ولادت کا نظریہ غلط ہے، لیکن یہ اپنی نہاد میں ایک معاشی اور پیداواری نظریہ ہے، جب کہ مغرب نے تیسری دنیا میں یہ نظریہ سیاسی نظریے کے طور پر برآمد کیا۔ سفید فام اقوام، غیر سفید فام اقوام کے سمندر میں ایک جزیرے کی حیثیت رکھتی ہیں اور سمندر اور جزیرے کا۔۔۔ رشتہ مسلسل بدل رہا ہے، اس لیے کہ سمندر کی حدود وسیع ہو رہی ہیں اور جزیرہ سکڑ رہا ہے۔[٦١]

اہل مغرب جانتے تھے کہ تیسری دنیا میں آبادی کا دباؤ بڑھے گا تو اس کا اثر ان کے معاشروں پر پڑے گا۔ بڑے پیمانے پر نقل مکانی ہوگی اور اسے روکا نہیں جا سکے گا۔ اس سے ان کی معاشرت اور تہذیبی دائرے میں رجعتی عنصر کا اضافہ ہوگا جو ان کے تہذیبی و ثقافتی سانچوں، یہاں تک کہ ان کی سیاست پر بھی اثر ڈالے گا۔ یہ کوئی سانحہ تھا تو یہ بھی مغرب کے ساتھ ہو چکا ہے۔

مغرب تیسری دنیا کی آبادی کے عدم استحکام کو اپنے مسلط کردہ بین الاقوامی نظام کے لیے ایک خطرہ سمجھتا ہے۔ یہ عدم استحکام ابھی تک سیاسی اور معاشی فکر میں تبدیل نہیں ہو سکا ہے لیکن بالفرض اگر کل کو تیسری دنیا کے صرف چار ملک مغرب کے ہولناک قرضوں کی ادائیگی سے انکار کرتے ہوئے خود کو دیوالیہ قرار دے دیں تو مغرب کا بین الاقوامی مالیاتی نظام چند ہفتوں میں زمین بوس ہو جائے گا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مغربی دنیا نے تیسری دنیا میں صرف ضبط ولادت کے ذریعے ہی آبادی کو کم کرنے کی سازش نہیں کی بلکہ اس نے علاقائی اور داخلی بحرانوں پر قابو پانے میں بھی کوئی موثر کردار ادا نہیں کیا۔ روانڈا میں دو قبائل کے مابین ہونے والی خانہ جنگی چند ماہ میں بیس لاکھ افراد کو نگل گئی اور اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کا یہ بیان آن ریکارڈ ہے کہ امریکہ نے اس خانہ جنگی کو بند کرانے میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ یہاں تک کہ اقوام متحدہ خود بھی اس سلسلے میں خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتی رہی۔

مغربی دنیا چیخ رہی ہے کہ ایڈز افریقہ کو نگل رہا ہے۔ لیکن مغرب کے دوا ساز ادارے سستی دوائیں بنانے پر آمادہ نہیں، بلکہ اس سلسلے میں تو صورت حال یہ ہے کہ ایڈز کے مرض کا پھیلاؤ بھی مغرب کی سازش سمجھا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ افریقہ کے کئی ممالک میں تیل اور قیمتی قدرتی وسائل کے بہت بڑے ذخائر موجود ہیں۔ اور ایک خیال یہ ہے کہ مغرب افریقہ کو ایڈز زدہ کر کے اسے معذوری میں مبتلا رکھنا چاہتا ہے۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ تیسری دنیا میں تخفیف آبادی کا

٦١۔ شاہنواز فاروقی، ''تخفیف آبادی مہم اور خاندان'' روزنامہ جسارت کراچی، ٢٢ جون ٢٠٠٨ء

نعرہ اور اس کی مہم غرب کے سیاسی ایجنڈے کے سوا کچھ نہیں۔ جہاں تک مسلم دنیا کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں تخفیف آبادی کی سازش کا دائرہ مزید وسیع ہوجاتا ہے۔اس سلسلے میں بنیادی حقائق کا تجزیہ دلچسپ اور معنی خیز صورت حال کو ہمارے سامنے لاتا ہے۔

1940ء کے آس پاس مسلمانوں کی مجموعی عالمی آبادی صرف 36 کروڑ تھی، آج یہ آبادی ڈیڑھ ارب ہے۔ ایک اندازے کے مطابق سن 2050ء میں یہ آبادی دو ارب نفوس پر مشتمل ہوگی۔ اس وقت بساط عالم پر نہ صرف یہ کہ 57 آزاد مسلم ریاستیں موجود ہیں بلکہ ان کے پاس دنیا کے تیل کے 40 فیصد، قدرتی گیس کے تقریباً 50 فیصد اور بعض اہم معدنیات کے 25 فیصد ذخائر ہیں۔مسلم جہاں اقلیت ہیں وہاں ان کی حیثیت بڑی اقلیت کی ہے۔ یورپ میں مسلمانوں نے جڑیں پکڑ لی ہیں۔فرانس میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً پچاس لاکھ، برطانیہ اور جرمنی میں 40 لاکھ کے آس پاس ہے اور ان ملکوں میں ان کی حیثیت دوسری بڑی اقلیت کی ہے۔[۶۲]

اس تناظر میں دیکھا جائے تو جدید مغربی تہذیب کا تجربہ اسلامی تہذیب کی ضد نظر آتا ہے۔مغرب میں پھیلی ہوئی جنسی انارکی اور ان کی مجموعی اقدار زندگی نے نہ صرف خاندان کے ادارے کو منہدم کردیا ہے بلکہ حقیقتاً مغرب میں جنس کی بھی تکذیب ہوگئی ہے۔ہم جنسیت کا ہولناک رجحان جنس کی تردید نہیں تو اور کیا ہے؟

مغربی دنیا نے چھوٹے خاندان کے تصور اور تخفیف آبادی کو معاشی خوشحالی سے اس طرح منسلک کیا ہے کہ یہ لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کرگئے ہیں۔ ہمارے حکمران کہتے ہیں کہ آبادی میں مسلسل اضافہ ہماری شرح نمو کو نگل جاتا ہے۔لیکن چین نے ایک ارب بیس کروڑ کی آبادی کے باوجود گیارہ فیصد سالانہ شرح نمو حاصل کرکے یہ ثابت کردیا ہے کہ مسئلہ آبادی کو منظّم (Manage) کرنے کے لیے زیادہ اہلیت کے بجائے اپنا بڑا اثاثہ ثابت کردکھایا ہے۔

ہمارے یہاں دو چار برسوں سے چھوٹے خاندان اور کم آبادی کے حوالے سے اسلام کے تناظر میں ایک اور دلیل وضع ہوئی ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ اسلام تعداد یا مقدار پر نہیں معیار یا کوالٹی پر اصرار کرتا ہے۔اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ انسانی دائرے میں تعداد کو معیار سے مشروط کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ اس کا بہت کچھ انحصار بچوں پر والدین کی توجہ، خاندان میں مراسم کی نوعیت اور والدین کی تربیتی صلاحیت پر ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام کوالٹی پر اصرار کرتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ زیادہ تعداد کوالٹی پیدا کرنے کا امکان رکھتی ہے۔

> ''مغرب میں تخفیف آبادی یا خاندانی منصوبہ بندی کا تصور تقدیر اور ارادہ الٰہی کی یکسر تکذیب کرتا ہے۔ اس حوالے سے ہمیں کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ اگر خاندانی منصوبہ بندی پانچ سو سالوں سے پوری دنیا میں رائج ہوتی اور دنیا کے صرف 100 جینئیس اس کی نذر ہوکر پیدا نہ ہوئے ہوتے تو آج ہماری دنیا کیسی ہوتی۔ ایڈیسن ابتر معاشی حالات میں پلا بڑھا، مگر اس نے دنیا کو تین ہزار سے زائد ایجادات دیں۔ ولیم شکسپیئر اپنے زمانے کے زیریں متوسط طبقے کا شخص تھا اور وہ مغربی ادب کا سب سے بڑا نام

۶۲۔ شاہنواز فاروقی، ''تخفیف آبادی مہم اور خاندان'' روزنامہ جسارت کراچی، ۲۲ جون ۲۰۰۸ء

ہے۔ آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں، دنیا کے 80 فیصد سے زائد تاریخ ساز لوگ ابتر معاشی حالات اور زیادہ بچوں والے خاندانوں سے آئے ہیں"۔٦٣

اس لیے ضبط ولادت اور تخفیف آبادی کی یہ مہم انسانیت کے لیے انتہائی ضرر رساں اور اقوام عالم کو نابود کرنے کی مہم ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے خاندان پر اثرات

انسانی تمدن اور معاشرت کی بنیاد خاندان ہے جس کا آغاز ایک مرد اور عورت کے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے سے ہوتا ہے۔ بچوں کی پیدائش سے نہ صرف یہ رشتہ مضبوط ہوتا ہے بلکہ نسلی بقاء کے ساتھ ساتھ خاندان کو استحکام بھی ملتا ہے۔ انسان کی فطری خواہش بھی اپنی نسل کی بقاء اور تسلسل ہے۔ اس فطری خواہش پر زد اس وقت پڑی جب وسائل کی کمی کے خدشے کے پیش نظر آبادی کم کرنے کے نظریے کو قصداً فروغ دینے کی کوشش کی گئی۔ اسی دوران یورپ میں صنعتی انقلاب برپا ہوگیا جس کے نتیجے میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کا رجحان بھی ملازمت کی طرف ہوگیا۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ بچوں کی پرورش ایک مشکل امر تھا، نیز ترجیحاً ملازمت بھی ان خواتین کو دی جاتی جن کے بچے نہ ہوتے۔

بچوں والی خواتین کو دوران ملازمت چونکہ مختلف مراعات بھی دینا پڑتی ہیں پھر کارکردگی بھی متاثر ہوتی ہے، یہ چیزیں سرمایہ دارانہ ذھنیت کے منافی ہیں۔ اس وجہ سے بھی خاندانی منصوبہ بندی کو فروغ حاصل ہوا۔ اسی دوران مرد وزن کی مساوات اور خواتین کے حقوق کی تحریک نے بھی سر اٹھایا جس نے عائلی زندگی کو مزید متاثر کیا۔ مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کے نتیجے میں ناجائز تعلقات کو فروغ ملا اور ان کے نتائج سے بچنے کے لیے منصوبہ بندی کے طریقے عام کیے گئے اور مانع حمل ادویات کی وسیع پیمانے پر سستے داموں فراہمی ممکن بنائی گئی۔ اس طرح مادہ پرستی اور مادیت کو فروغ ملا جس کے نتیجے میں معاشرتی اقدار اور پیمانے بدلنے لگے۔ مستحکم خاندان اور بچوں کی خواہش ماند پڑنے لگی اور شادی کا بنیادی سبب ذاتی پسند ناپسند اور محض جنسی خواہش کی تسکین رہ گیا۔ نتیجتاً خاندان کا بندھن کمزور پڑنے لگا۔ پہلے تو خاندان چھوٹا ہوا اور پھر خواتین کی نظروں میں ہی بچوں کی اہمیت نہ رہی۔ آزاد خیالی نے اتنا زور پکڑا کہ یہ بھی ہونے لگا کہ نکاح کی ضرورت بھی محسوس نہ کی جاتی اور جوڑے بلا نکاح رہنے کو ترجیح دینے لگے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ معمولی معمولی باتوں پر علیحدگی ہوجاتی ہے اور شرح طلاق بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ سنگل پیرنٹ فیملی کا تصور سامنے آ گیا ہے، یعنی بچے پالنا صرف ماں کی ذمہ داری ہے۔ اس طرح خاندان کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا ہے۔

مغرب میں بحیثیت مجموعی شرح پیدائش بہت کم ہوگئی ہے بلکہ بعض ممالک میں تو صورت حال اتنی مخدوش ہے کہ کسی قوم اور نسل کی بقا کے لیے کم سے کم مطلوبہ شرح پیدائش سے بھی گر گئی ہے۔ نتیجتاً ملک وقوم کے معاملات چلانے کے لیے مطلوبہ افرادی قوت میں کمی ہے اور روز بہ روز غیر ملکی افراد کا آبادی میں تناسب بڑھتا چلا جا رہا ہے جس سے انہیں یہ خدشہ بھی لاحق ہوگیا ہے کہ کہیں یہ غیر ملکی افراد ہی ہم پر غالب نہ آ جائیں۔ معاملہ اس قدر آگے بڑھ چکا ہے کہ اب خود ان ممالک میں حکومت خواتین کو بچے پیدا کرنے کے لیے بہت سی مراعات فراہم کرتی ہے اور ترغیب دیتی ہے مگر خواتین کی

۶۳۔ شاہنواز فاروقی، "تخفیف آبادی مہم اور خاندان" روزنامہ جسارت کراچی، ۲۲ جون ۲۰۰۸ء

طرف سے مثبت ردعمل نہ ہونے کے برابر ہے۔ اب وہ اپنے آرام میں خلل اور بچے پالنے کے جھنجھٹ میں ہی پڑنا نہیں چاہتیں اور قدرت انہیں فطرت سے انحراف پر سزا دینے کے لیے انتقام پر اتر آئی ہے۔

''مغرب کے منتشر اور بکھرے ہوئے خاندان میں سب سے زیادہ مظلوم اور متاثر بچے ہیں۔ ماں باپ کی علیحدگی کی صورت میں بچوں کی شخصیت بکھر کر رہ جاتی ہے۔ یقیناً سوتیلے ماں اور باپ بچوں کی وہ نگہداشت نہیں کرپاتے جو حقیقی والدین کرسکتے ہیں۔ پھر ملازمت پیشہ والدین بچوں کو عملاً وقت ہی کتنا دے پاتے ہیں۔ ڈے کیئر سینٹروں یا اسکولوں میں دن کا طویل حصہ گزارنے کے بعد جب بچے گھروں کو لوٹتے ہیں تو والدین کے پاس بچوں کو دینے کے لیے وقت محدود ہی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ والدین کی توجہ اور شفقت سے محروم یہ بچے ذہنی الجھنوں کا شکار ہوتے اور بکھری ہوئی اور غیر متوازن شخصیت کے ساتھ جوان ہوتے ہیں۔ ضدی پن، جھنجھلاہٹ، جذباتیت، نفسانیت اور دوسروں کے لیے ایثار اور قربانی کے جذبے سے عاری ہونے کے سبب بالآخر ذہنی اور نفسیاتی امراض کا شکار ہوجاتے ہیں۔ (مغرب میں اور اب ہمارے جیسے ملکوں میں بھی بڑھتے ہوئے نفسیاتی امراض اس کا ثبوت ہیں) ذہنی سکون کے لیے شراب اور منشیات کا سہارا لیتے ہیں۔ نتیجتاً جنسی بے راہ روی بڑھ رہی ہے۔ خاص طور پر کم عمری (ٹین ایج) میں یہ رجحان تیزی سے فروغ پا رہا ہے اور ناجائز تعلقات کے نتیجے میں اسقاطِ حمل کی شرح میں تشویشناک حد تک اضافہ ہوچکا ہے''۔ [۶۴]

فرصت کے بیش تر وقت ٹیلی ویژن کی نذر کرنے سے جہاں بچوں میں احساسِ محرومی پیدا ہوتا ہے وہاں جرائم کی طرف بھی رجحان بڑھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوانوں میں تشدد کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کوئی طالب علم اٹھتا ہے اور اندھا دھند فائرنگ کرکے بہت سے بچوں کو بے دریغ گولیوں کا نشانہ بنا ڈالتا ہے۔ کوئی شخص جنونی پن کے تحت بہت سے افراد قتل کر ڈالتا ہے یا انسانیت سے گری ہوئی حرکات کا مرتکب ہوتا ہے۔ بچوں اور نوجوانوں کی یہ حالت زار مغرب کے کسی روشن مستقبل کی نوید نہیں ہے۔

مغرب میں بوڑھے والدین اور دیگر بزرگوں کی حالت بھی قابلِ رحم ہے۔ اولاد کے پاس اتنی فرصت کہاں کہ وہ بوڑھے والدین کو وقت دے پائیں۔ یہی وجہ ہے کہ بچے اگر ڈے کیئر سینٹروں میں پلتے ہیں تو بوڑھے والدین یا بزرگ اولڈ ہاؤس یا ہاسٹل میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ والدین اپنے بچوں کو ایک نظر دیکھنے کو ترستے ہیں۔ کرسمس کے موقع پر یا کسی اور ''ڈے'' پر بچوں کی طرف سے کارڈ یا فون کال ان کے لیے بڑی مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ مادی سہولتیں اگرچہ انہیں میسر ہیں لیکن انسان کو انسان سے مل کر جو خوشی ہوتی ہے اور خونی رشتوں کی جو پیاس ہے، ان کا متبادل کبھی بھی ٹیلی فون یا سہولیات نہیں ہوسکتی ہیں۔ اہلِ مغرب بزرگوں کی شفقت، رہنمائی اور ان کے تجربات سے استفادہ کرنے سے آج محروم ہیں۔ یوں خاندان کی ایک اہم بنیاد وہ اپنے ہی ہاتھوں ڈھا چکے ہیں۔

۶۴۔ امجد عباسی، خاندانی منصوبہ بندی، استحکام خاندان پر کاری ضرب ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل کراچی، ۱۳ فروری ۲۰۰۹ء

''خاندانی منصوبہ بندی نے آبادی کا تناسب بھی بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ مردوں اور عورتوں کا فطری تناسب بھی متاثر ہو رہا ہے۔ لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دینے کے نتیجے میں لڑکوں کا تناسب بڑھ رہا ہے جو کئی معاشرتی مسائل کا باعث ہے۔ جدید الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے معلوم کر کے بچیوں کا اسقاط کروا دیا جاتا ہے۔ بچوں کی پیدائش میں زیادہ وقفے کی وجہ سے بھی بوڑھوں اور نوجوانوں کا تناسب بڑھ گیا ہے۔ بوڑھوں یا چھوٹے بچوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور نوجوان یعنی کام کرنے والے ہاتھوں کی تعداد میں تیزی سے کمی واقع ہو رہی ہے۔ مغرب میں وقتاً فوقتاً ایسے سروے شائع ہوتے رہتے ہیں جو اس مسئلے کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ تشویش کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ آج جاپان کو بوڑھوں کا ملک قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ بوڑھے معیشت پر بتدریج ایک بوجھ بنتے جاتے ہیں، اس لیے کہ ان کی دیکھ بھال، رہائش اور صحت وغیرہ پر خرچ ہی خرچ ہے، کیونکہ یہ ''کماؤ پوت'' نہیں ہوتے۔

ایک عشرے کے اندر اندر ہی آبادی میں مرد و خواتین کا تناسب بگڑنے لگا۔ کام کرنے والے افراد اور بوڑھوں کی تعداد میں تفاوت پیدا ہو گیا ہے۔ لاکھوں بوڑھوں میں بچوں کی تعداد بہت کم ہے۔ چین کی آبادی میں مردوں کا تناسب عورتوں سے زیادہ ہے۔ 1.2 مرد اور ایک عورت کے نسبت پائی جاتی ہے۔ خدشہ ہے کہ آئندہ چل کر بہت سے چینی مرد کبھی اس قابل نہ ہوں گے کہ وہ ایک خاندان کو وجود میں لا سکیں، اس لیے کہ لڑکیوں کا تناسب مروجہ خاندانی منصوبہ بندی (ایک بچہ، ایک خاندان) کی وجہ سے مزید کم ہوتا جا رہا ہے۔ یہ جہاں جنسی جرائم کو فروغ دے گا وہاں خود حکومت کو بھی مختلف مسائل پر عوامی ردعمل اور احتجاج کا سامنا کرنا ہو گا جو حکومت کے لیے مشکلات پیدا کرنے کا باعث ہو گا۔ یہ غیر متوازن جنسی تناسب (Sex Ratio) کا نتیجہ ہو گا۔''[۶۵]

خاندان کا واحد بچہ ہونے کی بنا پر غیر متوازن رویے بھی سامنے آ رہے ہیں۔ بچے کی پرورش اور خواہشات کی تکمیل پر بے جا ناز و نعم اٹھانا، اخراجات کرنا اور چونکہ بچے کے چھوٹے بہن بھائی نہ ہوں گے اس کے لیے وہ دوسروں کے ایثار، قربانی اور برداشت جیسے رویوں سے محروم رہے گا۔ شاید بعض رشتوں کی پہچان سے بھی وہ نا آشنا ہو۔ نتیجتاً خود غرضانہ ذہنیت کے ساتھ پلنے والے یہ ایک خود غرض معاشرے کو جنم دینے کا باعث بنیں گے۔

ادھر ہم ہیں کہ مغرب کے سراب کے پیچھے آنکھیں بند کیے بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ اب بھی وقت ہے کہ مغرب کی اندھی پیروی کی روش کو چھوڑتے ہوئے خاندانی منصوبہ بندی کی غیر فطری پالیسی کو ترک کیا جائے۔ مغرب کے تلخ تجربے سے سبق سیکھا جائے اور خاندان کی روایت اور قدر کو مستحکم کیا جائے۔ خدا سے بے نیاز ہو کر انسانی عقل کس طرح سے انسانیت کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کرتی ہے، خاندانی منصوبہ بندی کے نظریے اور اس کے نتائج میں ہمارے لیے بڑا سبق ہے۔

بہبود آبادی کی تحریک کے نتائج

بہبود آبادی اور ضبط ولادت کی تحریک کے نتیجے میں یہ پیش گوئیاں ہوئیں تھیں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے جو مختلف اقوام اور طبقات میں توازن پیدا کیا ہے وہ عدم مطابقت سے دوچار ہو جائے گا اور اقوام کے درمیان کشمکش اور تہذیبی چپقلش

۶۵۔ امجد عباسی، خاندانی منصوبہ بندی، استحکام خاندان پر کاری ضرب ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل کراچی، ۱۳ فروری ۲۰۰۹ء

شروع ہوجائے گی جس کا آج کی نسل کو سامنا ہے۔ اس کے علاوہ بدکاری، فواحش کی کثرت سے امراض خبیثہ کی بہتات، طلاق کی کثرت، شرح پیدائش میں کمی اور ایڈز کی مہلک بیماری اسی تحریک کے زہریلے اثرات اور نتائج ہیں جو آج نظر آرہے ہیں۔ انہی پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے مغرب کے دانشور اپنی آبادی بڑھانے کے لیے ترغیب دلاتے رہتے ہیں۔

''اگر ہم آبادی کی کمی کو قائم رکھنے کی حماقت کرتے ہیں تو ہم کو جان رکھنا چاہیے کہ تقلیل آبادی، جس سے ہم دوچار ہیں، بے روزگاری کے مسئلہ کا حل نہیں ہے، اور نہ اس کی وجہ سے باقی ماندہ لوگوں کا معیار زندگی ہی بلند ہوتا ہے۔ اس کے معاشی اثرات لازماً ناخوش گوار ہوں گے۔ اس لیے کہ اس کی وجہ سے آبادی میں بوڑھے لوگوں کا تناسب بڑھ جائے گا اور پیدا کار (Producers) ریٹائرڈ لوگوں کو برسر کار رکھنے پر مجبور ہوں گے۔ اور اگر خود پیدا کاروں میں بھی ایک بڑا طبقہ بڑی عمر کے لوگوں پر مشتمل ہوتو نظام پیداوار میں وہ لچک باقی نہیں رہ سکتی جو بدلتے ہوئے حالات اور نت نئے تکنیک کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے۔ ہمیں آبادی کی کمی کو روکنے کے لیے ہر وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو ممکن ہے۔[۶۶]

ایک اور مؤرخ کے افکار بھی اپنے اندر عبرت وموعظت کا بڑا سامان رکھتے ہیں:

''ایک اور طریقہ جس سے ایک مسرف اور اوباش قوم کی زندگی کو کم کردیا جاتا ہے، وہ شرح پیدائش کی کمی ہے۔ یہ قدرت کا قانون ہے کہ جو اقوام لذت پرستی اور جنسی آوارگی میں مبتلا ہوتی ہیں وہ افزائش اطفال سے غافل رہتی ہیں اور بچوں کو اپنی آزادی اور خوش فعلی کی راہ میں مانع تصور کرتی ہیں۔ یہ رویہ پرستارانِ جنس کو مانع حمل ذرائع کے استعمال، اسقاطِ حمل اور اسی نوع کی دوسری تدابیر اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کی آبادی پہلے تو ساکن اور غیر متغیر ہوجاتی ہے اور پھر کم ہونے لگتی ہے حتیٰ کہ وہ اس مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں وہ اپنی بنیادی ضرورتیں تک پوری کرنے کی اہل نہیں رہتی۔ یعنی نہ وہ اپنے جداگانہ تشخص کو قائم رکھ سکتی ہے اور نہ اپنے فطری (Natural) اور انسانی دشمنوں سے اپنے آپ کو بچا سکتی ہے۔ یہ خودکشی ہے اور اسے اس بانجھ پن سے مزید مدد ملتی ہے جو آوارہ گردی اور بدفعلی کا فطری نتیجہ ہے۔ پھر ان دونوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسی قوم کا عرصہ حیات مختصر ہوجاتا ہے۔ خودکشی کے اس طریقہ نے تاریخ انسانی میں بہت سے شاہی خاندانوں، دولت مند اور اونچے طبقوں اور اجتماعی گروہوں کو حیاتیاتی اور سماجی حیثیت سے نیست و نابود کردیا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ بہت سی قومیں زوال وانحطاط کی شکار ہوتی ہیں۔''[۶۷]

یہ ایک مختصر سا جائزہ ہے ان نتائج کا جو ضبط ولادت کو ایک قومی پالیسی اور ایک اجتماعی تحریک کی حیثیت سے اختیار کرنے کی بدولت دنیا کے مختلف ملکوں میں رونما ہوچکے ہیں۔ یہ نتائج آج ایک کھلی کتاب کی طرح ہر صاحب نظر کے سامنے

۶۶۔ Cole, G.D.H, The Intellegent Man's Guide to the Post War World London, 1948, P.445-446

۶۷۔ Sorokin, The American Sexual Revolution, PP.78-79

ہیں۔جن قوموں کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، وہ تو اپنی بہار دیکھ چکی ہیں۔اپنے پورے عروج کو پہنچ جانے کے بعد اب وہ سنت اللہ کے مطابق تنزل کی طرف جا رہی ہیں اور ان کے تنزل کا انتظام خود ان کے اپنے ہاتھوں کرایا جا رہا ہے۔'شاخ نازک پر جو آشیاں' مغرب نے بنایا تھا اس کی ناپائیداری کا اندازہ انہیں تو ہوگیا ہے مگر ہمیں کیا ہوگیا ہے جو ان تلخ نتائج کو دیکھ کر پھر بھی اسی روش پر چلنے پر اصرار کر رہے ہیں۔

حالانکہ جو لوگ فطرت کے ساتھ دغا بازی کرتے ہیں فطرت انہیں سزا دے کر خسارے میں مبتلا کر دیتی ہے:

قَدۡ خَسِرَ الَّذِیۡنَ قَتَلُوۡۤا اَوۡلَادَهُمۡ سَفَهًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّحَرَّمُوۡا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افۡتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ[۶۸]

''وہ لوگ گھاٹے میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو نادانی سے بغیر سمجھے بوجھے قتل کیا اور اس نعمت کو جو اللہ نے ان کو عطا کی تھی اللہ پر افتراء باندھ کر اپنے اوپر حرام کیا''۔

مولانا مودودیؒ اس آیت کے ساتھ ضبط ولادت کے نقصانات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ خسران درج ذیل صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

1۔ جسم و نفس کا نقصان

ضبط ولادت کے اثرات انسان کے جسم اور روح دونوں پر مرتب ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے دونوں صنفوں کو اسی لیے الگ الگ ساخت میں پیدا کر کے ان کے درمیان تعلق کی شدید طلب رکھ دی ہے اور عورت کو تو بنایا ہی تخلیق کی ذمہ داری ادا کرنے ہی کے لیے ہے۔ اس لیے جب وہ بنیادی مقصد پورا نہ ہو رہا ہو تو جسم اور نفس دونوں مبتلائے اذیت ہوتے ہیں۔

2۔ معاشرتی نقصان

انسان کی ذاتی زندگی کے ساتھ ساتھ معاشرتی زندگی بھی بے چینی کا شکار ہوجاتی ہے۔ میاں بیوی کے درمیان غیر محسوس طریقے سے اجنبیت اور دوسری دلچسپیوں میں مشغول ہونے کے سبب دوری پیدا ہوجاتی ہے۔ انسانیت کے اعلیٰ اخلاق اور جانوروں سے ممتاز ہونے کے رویے جب ناپید ہوجاتے ہیں تو معاشرے میں حیوانیت ابھرنے لگتی ہے اور اعلیٰ انسانی اخلاق اور اقدار ختم ہونے لگتی ہیں۔

اس بہیمیت کا خاصہ یہ ہے کہ کچھ مدت تک ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونے کے بعد دونوں کا دل ایک

۶۸۔ قدیم مفسرین نے حَرَّمُوۡا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ کا مطلب صرف یہ بیان کیا ہے کہ'' وہ حلال غذاؤں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں'' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے زمانے میں ضبط ولادت کی تحریک کا کوئی وجود نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے جس کا علم ان تمام چیزوں پر حاوی ہے جو ہو چکی ہیں اور ہونے والی ہیں، ایسے وسیع الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو صرف حلال غذاؤں کی تحریم ہی کو نہیں بلکہ ہر اس نعمت کی تحریم کو شامل کرتے ہیں جو اللہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے۔لغت اور محاورے کے اعتبار سے''رزق'' صرف سامان خوراک ہی کے لیے نہیں بولا جاتا بلکہ ہر عطیے پر لفظ رزق کا اطلاق ہوتا ہے جس میں اولاد کا عطیہ بھی شامل ہے۔اور چونکہ یہاں قتل اولاد کے بعد ہی تحریم رزق کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ لوگ گھاٹے میں ہیں جو اولاد پیدا ہونے کے بعد قتل کر دیتے ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی گھاٹے میں ہیں جو اولاد کی پیدائش ہی کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔اسلام اور ضبط ولادت ص ۷۸

دوسرے سے بھر جاتا ہے۔ پھر اس بہیمیت کے تعلق میں ہر مرد وعورت کے لیے ہر مرد وعورت یکساں ہے۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ایک جوڑا ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کا ہو کر رہ جائے۔ وہ اولاد ہی ہے جو زوجین کو ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ کے لیے وابستہ رہنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ جب وہ نہ ہو تو ان کا باہم جڑ کر رہنا سخت مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکہ میں زوجی تعلقات نہایت ضعیف ہوتے چلے جا رہے ہیں اور ضبط ولادت کی تحریک کے ساتھ ساتھ طلاق کا رواج اس تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے کہ درحقیقت وہاں عائلی زندگی اور خاندانی نظام کا سارا تار و پود بکھرتا نظر آتا ہے۔۶۹

مغرب میں خاندان کے ادارے کے عدم استحکام کے باعث، جو معاشرے کو نقصانات اور چیلنج درپیش ہیں ان میں سب سے زیادہ تشویشناک صورت حال اخلاق پر پڑنے والے اثرات کی ہے جس کی طرف پچھلی صدی میں بھی توجہ دلائی جا رہی تھی مگر اب تو اس آگ نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

3۔ اخلاقی نقصان

''مانع حمل ذرائع سے عورت اور مرد کو زنا کا لائسنس مل جاتا ہے۔ ناجائز اولاد کی پیدائش سے سیرت پر بدنامی و ذلت کا بدنما داغ لگ جانے کا کوئی خوف باقی نہیں رہتا۔ اس لیے ناجائز تعلقات پیدا کرنے میں دونوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے''۔۷۰

انسان نفس اور خواہشات کا غلام بن جاتا ہے اور جن گھروں میں بچے نہیں ہوتے وہ ان صفات سے محروم رہ جاتے ہیں جو بچے اپنی شرارتوں اور اپنے ذہن میں اور اپنی زندگی سے اپنے بڑوں میں پیدا کرتے ہیں۔ پرورش کے جانگسل مراحل ماں اور باپ میں اعلیٰ اخلاق کی ترویج کا سبب بنتے ہیں۔ جن گھروں میں زیادہ بچے ہوتے ہیں ان میں ایثار، قربانی، مل جل کر رہنے کا جذبہ، محبت اور رفاقت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے، جو معاشرے کو پرسکون بنا دیتی ہے۔

جو لوگ ضبط ولادت پر عمل کر کے اپنی اولاد کو صرف ایک بچے تک محدود کر لیتے ہیں یا دو بچے اس طرح پیدا کرتے

۶۸۔ قدیم مفسرین نے حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمَ اللّٰهُ کا مطلب صرف یہ بیان کیا ہے کہ ''وہ حلال غذاؤں کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں'' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے زمانے میں ضبط ولادت کی تحریک کا کوئی وجود نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے جس کا علم ان تمام چیزوں پر حاوی ہے جو ہو چکی ہیں اور ہونے والی ہیں، ایسے وسیع الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو صرف حلال غذاؤں کی تحریم ہی کو نہیں بلکہ ہر اس نعمت کی تحریم کو شامل کرتے ہیں جو اللہ کی طرف سے عطا کی جاتی ہے۔ لغت اور محاورے کے اعتبار سے ''رزق'' صرف سامان خوراک ہی کے لیے نہیں بولا جاتا بلکہ ہر عطیے پر لفظ رزق کا اطلاق ہوتا ہے جس میں اولاد کا عطیہ بھی شامل ہے۔ اور چونکہ یہاں قتل اولاد کے بعد ہی تحریم رزق کا ذکر کیا گیا ہے اس لیے اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ لوگ گھاٹے میں ہیں جو اولاد پیدا ہونے کے بعد قتل کر دیتے ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی گھاٹے میں ہیں جو اولاد کی پیدائش ہی کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔ اسلام اور ضبط ولادت، ص ۸۷

۶۹۔ اسلام اور ضبط ولادت، ص ۸۷

۷۰۔ ڈاکٹر وسٹر مارک (Dr.Westermarck) اپنی مشہور کتاب ''مغربی ممالک میں نکاح کا مستقبل'' (Future of Marriage in Western Civilization) میں اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ ''مانع حمل ذرائع کا علم ہو سکتا ہے کہ شرح مناکحت کو بڑھا دے لیکن اس کے ساتھ ساتھ (یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ) یہ بیرون نکاح (Extra Matrimonial Intercourse) جنسی تعلق کے

ہیں کہ ان میں عمر کا بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے وہ دراصل اپنی اولاد کو ایک بہتر اخلاقی تربیت سے محروم کر دیتے ہیں۔اے

4۔نسلی وقومی نقصانات

انفرادی نقصانات کے علاوہ اس تحریک کے قوموں پر جو ہولناک نتائج مرتب ہو رہے ہیں مولانا مودودیؒ ان کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مردانِ کار کی کمی بالآخر قوموں کو تباہی سے دوچار کرتی ہے اور پھر تجربہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ خاندان زیادہ کامیاب ہیں جو کثیرالاولاد ہیں۔کم اولاد رکھنے والے خاندان ان کے مقابلے میں نسبتاً ناکام پائے گئے ہیں۔ پروفیسر کولن کلارک لکھتا ہے:

> ''اگرچہ ایک بڑے خاندان کو تعلیم دینے کے مسائل بلاشبہ خاصے گراں بار ہیں لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ ایک نئے بچے کا اضافہ کر کے ماں باپ اپنے موجود بچوں کے مفاد کو مجروح کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب خود والدین بھی وجدانی طور پر اس حقیقت کو محسوس کرنے لگے ہیں جو فرانس کے مسٹر بریسارڈ نے بڑی تحقیق کے بعد دریافت کی ہے۔موصوف نے تجار اور دوسرے اعلیٰ پیشوں والے بے شمار کثیر الاولاد خاندانوں کے نشوو ارتقاء اور ذرائع معاش (Careers) کا مطالعہ کیا اور ان کے حالات کا موزانہ ایسے خاندانوں کے بچوں کی زندگی اور معاش سے کیا جن میں اولاد کم تھی تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ کثیر الاولاد خاندانوں کے بچے مختصر خاندانوں والے بچوں کے مقابلے میں آخر کار زندگی کے میدان میں کہیں زیادہ کامیاب رہے ہیں۔''۲ے

بہبود آبادی اور ضبط ولادت کی اس تحریک سے افراد میں خودغرضی بڑھتی ہے اور قومی مفادات پر شخصی مفادات غالب آ جاتے ہیں اور جب کبھی قوم کو آبادی میں اضافہ کی ضرورت پڑے گی تو افراد اس کے لیے تیار نہ ہوں گے اور قوم کا زوال قریب ہو جائے گا۔ اسی طرح سے اگر کسی بڑی تباہی کے نتیجے میں جیسے جنگوں کی صورت حال اور بڑے مہلک ہتھیاروں کے استعمال سے اچانک لاکھوں لوگ مر جائیں تو مرنے والوں کی جگہ پر کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ جیسے آج سے 2 ہزار سال پہلے یونان میں ضبط ولادت کی تحریک جڑ پکڑ گئی تھی اور خانہ جنگیوں میں ہزاروں افراد مارے گئے تو اس دوہرے نقصان کی وجہ سے یونانی قوم کا زوال شروع ہوا اور پھر وہ اپنے گھر میں دوسری تہذیبوں کی غلام بن گئی۔آج مغربی تہذیب کا

اے۔ یہی نہیں بلکہ ماہرین نفسیات وعمرانیات کا ایک گروہ تو یہ رائے بھی رکھتا ہے کہ اس کی وجہ سے بچے کا ذہنی اور نفسی ارتقاء متاثر ہوتا ہے اور اگر دو بچوں کے درمیان عمر کا بہت فرق ہو تو بڑے بچے میں قریب العمر ساتھی کے نہ ہونے کی وجہ سے ذہنی خلل (Neurosis) تک واقع ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو ہو: یوڈ مایم لیوی (David M.Levy)(Maternal Over-Protection) نیویارک ۱۹۴۳ء۔ بحوالہ مودودی ابوالاعلیٰؒ، اسلام اور ضبط ولادت، ص: ۹۲

پروفیسر آرنلڈ گرین اس مسئلہ پر ایک دوسرے زاویہ نظر سے روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے کہ قریب العمر بھائیوں اور ساتھیوں کی کمی بچے کو مشکلات میں مبتلا کر دیتی ہے اور وہ چیخنے چلانے یا تخریبی نوعیت کے کام کرنے میں لگ جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو: مقالہ (The Middle Class Male Child and Neurosis) از (Arneld W.Green) اور (A Modern Introduction to Family) مرتبہ نارمن بیل اور ازرا دوگل، مطبوعہ لندن ۱۹۶۱ء، ص ۵۶۸

۷۲۔ روزنامہ ٹائمز لندن، مضمون بر (Too Small Families)، ۱۵ مارچ ۱۹۵۹ء

بھی یہی انجام نظر آ رہا ہے۔

5۔معاشی نقصان

موجودہ دور میں جبکہ یہ بات غلط ثابت ہوچکی ہے کہ آبادی کی کمی اقتصادی اور معاشی خوشحالی کا سبب بن جائے گی کیونکہ جو بھی انسان اس دنیا میں آ رہا ہے وہ ایک منہ کے ساتھ دو ہاتھ اور دو پاؤں بھی لا رہا ہے جو کہ معاشی ترقی کا ضامن ہے کہ آبادی جتنی بڑھتی ہے صارفین بھی اسی شرح سے بڑھتے جاتے ہیں اور مانگ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ آبادی میں اضافہ سے جوانوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا ہے جبکہ شرح پیدائش میں کمی کے باعث بوڑھے، بچے اور معذور اور کمزور لوگوں کا تناسب زیادہ ہوتا جاتا ہے جو معاشی تنزل کی علامت ہے۔

''اسی رائے کو جرمنی، اٹلی، برطانوی اورامریکی ماہرین معاشیات کا ایک بڑا طبقہ پیش کرتا ہے اوران میں لارڈ کینس، پروفیسر ہینسن (Alvin H.Hansen) پروفیسر کولن کلارک اور پروفیسر جی،ڈی، ایچ کول (G.D.H.Cole) کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔''۷۳

کینس ہینسن مکتب فکر کے نقطہ نظر کو پروفیسر جوزف اشپینگلر اس طرح بیان کرتے ہیں:

''پس معلوم ہوا کہ آبادی میں تیز رفتار اضافہ (Upsurge) معاشی سرگرمی کو تیز تر کردیتا ہے، خصوصیت سے اس حالت میں جب کہ وسعت اختیار کرنے والی قوتیں (Expansive Forces) سکڑنے والی قوتوں (Contractive Forces) کے مقابلے میں زیادہ قوی ہوں، نیز یہی چیز برعکس حالت میں بھی ہوگی....ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کینس اور ہینسن کی یہ دلیل (Thesis) کہ نیم بے روزگاری میں اضافہ کی تیز رفتار شرح، اضافہ آبادی میں مسلسل کمی کا نتیجہ ہے اب کافی قبولیت عامہ حاصل کرچکی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ اضافہ آبادی کے حجم میں مستقل کمی۷۴ ایک طرف اس سرمایہ کاری (Investment) کی ضرورت میں کمی کی موجب ہوگی جو اضافہ آبادی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ہوتی ہے اور دوسری طرف اور بھی متعدد سرمایہ کارانہ سرگرمیوں پر برا اثر ڈالے گی۔ جیسے جیسے شرح اضافہ آبادی گرتا ہے اس شرح سرمایہ کاری میں بھی کمی واقع ہوتی چلی جاتی ہے جو معیاری روزگار (Full Employment) سے وابستہ ہے۔۷۵

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حرث (کھیتی) اور نسل کی بربادی کو فساد فی الارض سے تعبیر فرمایا ہے۔ پھر اس بحث سے اس آیت کا مفہوم بھی خوب سمجھ آتا ہے جس میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَلَاتَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيْرًا۔﴾ ۷۶

اورتم اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ان کو رزق دینے والے بھی ہم ہیں اورتم کو بھی۔ ان کو قتل

۷۳۔ اسلام اور ضبط ولادت، ص ۹۷

۷۴۔ یہاں اصل لفظ (Tapering) ہے جو مخروطی شکل کے لیے مستقل ہوتا ہے یعنی ایک چیز اوپر سے موٹی ہو اور برابر نیچے تک پتلی ہوتی چلی جائے، جیسے یہ شکل V

۷۵۔ Spengler, Joseph J: "Population Theory", A Survey of Contemporary Economics, Vol.II, Illinois, 1952, P.116

۷۶۔ بنی اسرائیل ۳۱:۱۷

کرنا ایک بڑی خطا ہے۔‘‘

یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ معاشی مشکلات کے خوف سے اولاد کی تعداد گھٹانا محض ایک حماقت اور اللہ رب العالمین کی رزاقیت پر ایمان سے انکار کے مترادف ہے۔

مغرب میں ان کوششوں کے اثرات اور ہماری حالت

1766ء میں مالتھس نے آبادی کا پھیلاؤ اور وسائل پر اثرات کا نظریہ پیش کیا۔ یہ وہ دور تھا جب گریٹ برطانیہ، جس پر سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا، خود برطانیہ میں اپنے معیار زندگی کو گرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ ایسے میں بے خدا تہذیب کے پیشواؤں نے معیار زندگی کے زوال کا سبب انسانی اور مادی وسائل میں عدم توازن کو ٹھہرایا۔ ان دنیا کے اماموں کی نظر میں اس مسئلے کا واحد علاج دنیا سے غرباء کا خاتمہ تھا۔ یعنی نہ غریب ہوں گے نہ ماحول متاثر ہوگا۔ امراء دنیا کی رونق میں بھرپور اضافہ کرتے رہیں گے۔ ترقی یافتہ اقوام کی طرف جب کوئی نظریہ پیش کیا جاتا ہے وہ پوری دنیا کے لیے اصول کا درجہ رکھتا ہے۔ غالب قومیں اپنے نظریات، اپنے تجربات سے اخذ کرتی ہیں۔ مذہب کو زندگی سے خارج کردینے کے بعد نظریات کی جیت کس سمت ہوجاتی ہے؟ اس کا اندازہ مالتھس کے نظریہ آبادی اور ڈارون نظریہ ارتقاء سے لگایا جاسکتا ہے۔

مغربی اقوام نے مادیت کی بقا کے لیے صدیوں منصوبہ بندی کی ہے۔ انہوں نے اپنی تہذیب و ثقافت کو ان اصولوں کے مطابق بنانے میں بھرپور کامیابی حاصل کی ہے۔ لیکن باقی دنیا میں اس کے مضمرات کو روکنے کے لیے اپنے ان گمراہ کن نظریات کو بزور نافذ کرنے کی جدوجہد بھی بے مثال ہے۔ جدوجہد خواہ حق کے لیے کی جائے یا باطل نظریات کے لیے، اس کی کامیابی میں استقلال و استقامت بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ اپنے نظریات کو پوری دنیا پر نافذ کرنے کے لیے ان قوتوں نے زندگی کے کسی شعبہ کو نظر انداز نہیں کیا۔ تعلیم، معیشت، ابلاغ عامہ، عسکری ذرائع اور مذہب کو کنٹرول کرنا ان قوتوں کا اہم ترین ہدف ہوتا ہے۔ اپنے اہداف کے حصول میں انہوں نے کسی بنیادی انسانی اخلاقیات کا دھیان نہیں رکھا۔ وہ صدیوں کا سفر اور اس کے اثرات قوموں کی تاریخ میں نتائج ظاہر کرنے کے لیے کافی دورانیہ ہوتا ہے۔ آج جبکہ یہ قومیں شدید معاشرتی مسائل آبادی کی قلت اور ناقص انسانی وسائل کے مسائل سے دوچار ہیں تو دوسری قومیں جو ان کی تمام تر جدوجہد کے باوجود ان کے جیسے مسائل سے دوچار نہیں ہوسکیں، ان کی خواہش ہے کہ جلد از جلد وہ بھی مطلوبہ معیار حاصل کرلیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنے معاشرے کی اصلاح اور واپسی کا سفر شروع کردیا ہے، لیکن دوسری قوموں کو وہ اس مقام پر پہنچانے کی خواہش مند ہیں جس کا وہ تجربہ کرچکی ہیں۔ ان کی اس روش کا اندازہ بین الاقوامی فورم پر ہونے والے معاہدوں سے ہوتا ہے۔ بیجنگ پلس فائیو یا بیجنگ پلس ٹین۔ یہ قوتیں ساری دنیا سے دستخط اور عہد لیتی ہیں۔ پھر ان پالیسیوں پر عمل درآمد کی کوششوں پر پوری نظر رکھتی ہیں، امداد فراہم کرتی ہیں لیکن خود ان معاہدوں پر دستخط سے انکار کردیتی ہیں۔ یہ ان قوموں کا اخلاقی دیوالیہ پن ہے۔

> ’’اس موقع پر یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ گزشتہ دو ڈھائی صدیوں میں مغربی یورپ اور امریکہ نے جو ترقی کی ہے اس کے آغاز کے وقت ان قوموں کی آبادی کی شرح نمو آج کی ترقی پذیر اقوام کے

مقابلے میں کئی گنا زیادہ تھی۔ 1790 تا 1840ء کے درمیان امریکی آبادی 4 ملین سے بڑھ کر اندازاً 18 ملین ہوئی۔ یہ مزید دوگنی سے زیادہ ہوگئی۔ یعنی 38.5 ملین۔ دس برسوں بعد (1870 تا 1880) کے درمیان 37 فیصد اور اضافہ ہوا۔ اور آبادی 50 ملین سے زیادہ ہوگئی۔ انیسویں صدی کے اختتام تک امریکہ کی آبادی 76 ملین افراد پر مشتمل تھی۔ گویا یہ 100 برسوں میں پندرہ گنا اضافہ ہے۔ بیسویں صدی کے نصف میں بھی امریکی آبادی کی بڑھوتری کی رفتار 3 فیصد تھی۔ ڈیڑھ صدی کی پالیسیوں کے نتیجے میں ہونے والی ترقی نے امریکی عوام کو عیش وعشرت میں ڈبو دیا۔ نتیجتاً کم آبادی اور زیادہ وسائل کو سنبھالنے کے لیے بیرون دنیا کی آبادی نے امریکہ میں تیزی سے اضافہ شروع کردیا۔ یہاں سے آبادی میں عدم توازن کے مراحل اور نتائج کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ بیرونی آبادکاروں کو سنبھالنا ان کی تہذیب وثقافت سے اپنی آبادیوں کو بچانا اور ایسے دیگر بے شمار مسائل ہیں جن سے اس وقت امریکہ دوچار ہے۔۷۷

فیملی پلاننگ اور مادی فراوانی نے خاندان اور معاشرت کی شیرازہ بندی کو کس طرح بکھیر دیا ہے؟ مغربی اور یورپی معاشرے اس کی عبرت انگیز مثال ہیں۔ آزادی نسواں کو حقیقت کا رنگ دینے کے عمل نے مغربی یورپ اور امریکہ میں خواتین اور مردوں کو اپنے اپنے فطری دائرہ سے یکسر آزاد کردیا ہے۔

''اس آزادی کے نتائج پر تحقیق کی روشنی میں میلنی فلپ اپنی کتاب ''نسوانیت زدہ برطانیہ اور مردانگی سے محروم مرد'' میں لکھتی ہیں:

''جو نوجوان لڑکے اور مرد اپنے فطری رجحان کی تکمیل میں ہر طرف سرگرداں نظر آتے ہیں۔ اسکول سے نکلتے ہی انہیں گھر جانے کی بجائے شراب اور منشیات اور دوسرے جرائم کی تکمیل کی فکر ہوتی ہے۔ 'گرل فرینڈز' کو قطار اندر قطار اولاد کی نعمت سے نوازنا ان کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ مغربی حکمران، نوجوان نسل کے غیر ذمہ دارانہ رویوں سے شدید پریشان ہیں۔ وزیر داخلہ جیک اسٹرا نے موجودہ دور میں اہم ترین اور سنجیدہ مسئلہ ''نوجوانوں کا تعلیم اور ہنرمندی سے عاری ہونا'' قرار دیا ہے۔ مغربی معاشرے میں جنسی آزادی نے اینڈی برن جیسے نوجوانوں کو پیدا کیا جس نے 15 سال کی عمر میں نو کم سن لڑکیوں سے نو بچے پیدا کیے ہیں۔ ان بچوں کی پرورش کی ذمہ داری اینڈی برن پر نہیں ہے کیونکہ مغربی معاشروں میں بچوں کی پرورش کی ذمہ داری ریاست کے ذمے لے لی ہے۔ نوجوانوں کا کام صرف جنسی لطف اندوزی اور پیدائش نوع انسانی ہے۔ باقی کام ریاست کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اینڈی برن اپنے فعل کو سماجی خدمت قرار دیتا ہے۔ اسے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں ملک وقوم کے لیے بچوں کی پیدائش کے علاوہ اور کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ میری ان خدمات کے نتیجے میں بچوں کی

۷۷۔ عالمی بہبود آبادی کانفرنس، ص ۔۱۵، ماہنامہ چمن بتول، جون ۲۰۰۵ء

ماؤں کو حکومت سرکاری رہائش کی سہولت فراہم کرتی ہے۔''۷۸

میلنی فلپس کے مطابق نوجوان نشے کی حالت میں ڈرائیونگ، توڑ پھوڑ، گین وار پولیس اور قانون نافذ کرنے والوں سے لڑائیاں، ڈکیتیاں، خواتین پر تشدد جیسے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ خاندان کی ضرورت سے آبادی کو مبرا کرنے کے نتیجے میں ریاست نے جن بچوں کی پرورش کی ہے۔میلنی فلپ کے مطابق یہ نسل کم عقل، اخلاقیات سے ناواقف، کند ذہن، اجڈ، بدتمیز، حسِ لطیف سے عاری، خودغرضی، محدود مقاصد کے پرستار، سماجی دشمن اور جنسی طور پر پسماندگی کا شکار ہے۔ یہ نسل پیدائشی طور پر متشدد ہوتی ہے۔ ان بچوں کو دیکھ کر بجا طور پر محسوس ہوتا ہے کہ یہ اس دنیا کی مخلوق نہیں ہیں بلکہ دوسری دنیا کے مصنوعی انسان ہیں۔ بہبود آبادی کی سہولیات نے نوجوانوں میں آبادی کی پیدائش اور سنبھالنے جیسے مشکل کام سے شدید اجتناب پیدا کر دیا ہے۔ انہوں نے مطالبہ کرنا شروع کر دیا ہے کہ مغربی حکمران انسانی آبادیوں کی پرورش کے لیے اسپرم فارم بنائیں تاکہ خواتین اور مردوں کو اس انتہائی مشکل کام سے بچایا جائے۔

مغربی اور امریکی دین و مذہب سے نابلد وہی افراد ہیں جو مغربی اداروں میں بڑھ کر صرف نام کی حد تک مسلمان ہیں۔ ورنہ حقیقتاً ان میں اور مغربی حکمرانوں میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 3 ارب آبادی کا ہدف مسلم حکمرانوں کی وجہ سے شدید خطرات سے دوچار ہے۔ اس وقت پاکستان میں اضافہ آبادی کی شرح 1.9 ہے۔ صدر مشرف اسے 1.3 تک لے جانے کے ہدف پر یکسو ہیں۔۷۹

جو پروگرام، فلسفہ، رجحان مغرب میں ناکام ہو جاتا ہے وہ مشرق اور وہ بھی مسلم معاشرے میں پھیلانے کی کوششیں اتنے بڑے اداروں کی طرف سے کیوں ہوتی ہیں؟ آج جب مغرب شراب نوشی، سگریٹ نوشی، فری سیکس اور خاندانی منصوبہ بندی، ڈبہ بند اشیائے خورد و نوش، کیمیاوی کھاد سے پیدا کی گئی غذائی اجناس سے توبہ کر رہا ہے تو عین یہی چیزیں مشرقی ممالک کو درآمد کی جا رہی ہیں۔ اگر ہم صرف خاندانی منصوبہ کی بات کریں تو تجربہ اور تاریخ یہ بتا رہی ہے کہ مغرب کو اس کے سخت تباہ کن طویل المدت سنگین نتائج درپیش ہیں۔ آج وہاں کی آبادی میں ادھیڑ عمر اور بوڑھے لوگوں کا تناسب زیادہ ہو گیا ہے۔ وہاں کام کرنے والی عمر کی جو 16-35 سال کے درمیان ہوں ان کا تناسب لگاتار کم ہو رہا ہے۔ کئی ممالک میں شرح پیدائش او رشرح اموات برابر آنے کا ڈر ہے۔ نتیجتاً ان ممالک میں باہر سے لوگوں کو مجبوراً لانا پڑتا ہے۔ جرمنی، فرانس، ہالینڈ، اسپین، برطانیہ ہر جگہ یہی مسئلہ درپیش ہے۔ سماج کو رواں دواں رکھنے کے لیے ان کے پاس آدمی نہیں ہیں۔ جو لوگ ایشیا، لاطینی امریکہ، افریقہ، مشرقی یورپ سے وہاں اس کی کمی پورا کرنے جا رہے ہیں اس سے وہاں دوسری طرح کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ وہ لوگ ان سے کام بھی لینا چاہتے ہیں اور انہیں برداشت بھی کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

> ''ایشیا میں جن ممالک میں چین، جاپان، سنگاپور نے خاندانی منصوبہ بندی پر کامیابی سے عمل کیا وہاں آج حالت یہ ہے کہ حکومتیں مستقبل کے رجحانات سے ڈر رہی ہیں۔ جاپان اور سنگاپور بچے پیدا کرنے کے لیے ہر طرح کی ترغیبات اور سہولیات دے رہے ہیں مگر جن نوجوانوں کو موج مستی اور Figure

۷۸۔ عالمی بہبود آبادی کانفرنس، ص۔۱۵، ماہنامہ چمن بتول، جون ۲۰۰۵ء

۷۹۔ عالمی بہبود آبادی کانفرنس، ص۔۱۷، ماہنامہ چمن بتول، جون ۲۰۰۵

خراب ہونے کا ڈر ہوگیا ہے وہ واپس گھر کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ چین نے سب سے زیادہ جبریہ خاندانی منصوبہ بندی کا واحد اولاد، پروگرام کامیابی سے چلایا، وہ بھی مغرب کے ایما پر آج وہاں خطرے کی گھنٹی بجنی شروع ہورہی ہے۔ اور یہی حال ملک ہندوستان کا بھی ہے۔''۸۰؎

خاندانی منصوبہ بندی دراصل ایک ناکام اور انسانیت دشمن نظریہ ہے جسے منظّم انداز میں مخصوص طبقے کے ذریعے آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کے لیے جو بھی دلائل ہیں، وہ دراصل رشوت خور، کمیشن خور، مغرب زدہ حکمرانوں کا ہتھکنڈا ہے جو اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے اپناتے ہیں۔ مغرب کے پاس سرمایہ اور ٹیکنالوجی ہے مگر انسانی دولت کی محرومی ہے۔ اس لیے وہ اپنی برتری بنائے رکھنے کے لیے مشرق کی قدرتی دولت وقدرتی وسائل اور انسانی وسائل کو بھی کم یا ختم کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے طرح طرح کی خوش کن، گمراہ کن تھیوریاں اور فلسفے ایجاد کرتا رہتا ہے۔ جبکہ یہ انسانیت دشمن طاقتیں غریب ممالک کو مشورہ دیتی ہیں کہ اپنے ملکوں میں حفظانِ صحت پر، اشیائے خورونوش، کھانا پکانے کی گیس پر سرکاری مدد کم کرو، مگر یہی ممالک غریب ملکوں کو اپنی مہنگی غیر ضروری اشیائے تعیش خریدنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ یعنی کار، اے سی، کوکا کولا، میک اپ کا سامان خریدو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے ہتھیار خریدو۔ اپنے عوام کو سڑک، بجلی، پانی، تعلیم، علاج پر خرچ کرنے کے لیے بڑھتی آبادی کا رونا روتے ہیں مگر ہتھیار خریدنے کے لیے اکساتے ہیں۔ آج ایسا کیوں ہے کہ دنیا میں ہتھیار خریدنے والے تمام بڑے ملک ایشیا سے ہیں۔ (سعودی عرب، ہندوستان چین، دبئی) جبکہ ماہرین زراعت، ماہرین اقتصادیات ثابت کرچکے ہیں کہ اصل مسئلہ آبادی نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ تقسیم ناقص اور غیر ضروری خرچ کا ہے۔

''دنیا میں انسانی ضروریات کی تمام چیزیں قدرتاً مہیا ہیں، مگر جہاں سے حضرت انسان کا عمل دخل شروع ہوتا ہے وہیں سے انسانیت کی مشکلیں ذخیرہ اندوزی، سٹہ بازی، اسمگلنگ، بلیک مارکیٹنگ وغیرہ کی شکل میں شروع ہوجاتی ہیں۔ یہاں تک کہ دام بڑھانے کے لیے غذائی اجناس کو ضائع بھی کردیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ماہرین کا کہنا ہے کہ زمین پر آبادی کا نہیں بلکہ اسراف کا بوجھ بڑھ رہا ہے۔ مثلاً یہ کہ ایک امریکی 127 بنگلہ دیشیوں کے برابر قدرتی وسائل کا استعمال کرتا ہے۔ جو آبادی کم ہونے کے باوجود امریکی ہوا، پانی، بجلی، پٹرول، گیس ہر دولت کا زیادہ استعمال کرکے دھرتی پر زیادہ گندگی اور کثافت پھیلاتے نہیں۔''۸۱؎

''غریب ملکوں کو مغربی ممالک اور ان کے غلام اداروں، اقوام متحدہ، ورلڈ بنک، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ W.H.D نے بہکا رکھا ہے۔ یہ مالیاتی ادارے غریب ممالک سے یہ تو کہتے ہیں کہ غریب عوام کو سرکاری رعایت (سبسڈی) پر تعلیم، دوا، گیس، پٹرول نہ دو، مگر یہ نہیں کہتے کہ ہتھیار نہ خریدو، کار نہ خریدو، اے سی نہ خریدو، بلکہ ان غیر ضروری اشیاء کی خرید پر تو قرضہ دے کر اکساتے ہیں''۔۸۲؎

۸۰۔ اجمل فاروقی، بچیوں کا دنیا میں آنے سے پہلے قتل، روزنامہ انصاف، ۲۳ جولائی ۲۰۰۷ء

۸۱۔ ایضاً ۸۲۔ ایضاً

آبادی پر بین الاقوامی کانفرنسیں

آبادی کے مسائل پر سوچ بچار کے لیے بین الاقوامی سطح پر 20ویں صدی میں آبادی کی پانچ کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ پہلی کانفرنس 1954ء میں روم میں منعقد ہوئی دنیا بھر کے ماہرین آبادی اس کانفرنس میں شریک ہوئے تاکہ آبادی کے مسائل پر گفتگو کریں اور کسی نتیجے پر پہنچیں لیکن بدقسمتی سے وہ کسی بھی متفقہ فیصلہ پر نہ پہنچ سکے اور کانفرنس اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔ 1965ء میں ایسی دوسری کانفرنس یوگوسلاویہ کے شہر بلغاریہ میں منعقد ہوئی جس میں بارآوری (Fertility) کو منصوبہ بندی اور ترقی کے لیے پالیسی ایشو کے طور پر بحث کا حصہ بنایا گیا لیکن پھر بھی اس سے متعلق علم وآگہی اور پالیسی کے سلسلے میں کافی حدتک مقاصد کے حصول میں تشنگی رہی۔

1974ء میں اس سلسلے کی تیسری اور اقوام متحدہ کی سطح پر پہلی بین الاقوامی کانفرنس میں حصہ لیا۔ اس کانفرنس میں پہلی مرتبہ آبادیاتی مسائل، اس کی الجھنیں اور دنیا کی آبادی پر بات چیت ہوئی اسی کانفرنس کے ذریعے علم کے تبادلے کی بجائے آبادی کی پالیسی اپنانے پر توجہ مرکوز ہوئی اور یوں آبادی، دنیا کا ایک بڑا چیلنج بن کر سامنے آنے لگی۔ عین اس دور میں معاشی ترقی سست روی کی جانب گامزن تھی جبکہ ترقی پذیر ممالک میں غربت کے سائے گہرے ہونے لگے۔ صنعتی ممالک نے اس چیز کا پرچار زیادہ تیز کردیا کہ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کو کنٹرول کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے لیکن ترقی پذیر ممالک نے اس بات کی شدید مخالفت کی کہ ''ترقی'' بہترین مانع حمل ہے یا آبادی کم کرنے کا ذریعہ ہے۔ لیکن ان تمام مخالفتوں اور دشواریوں کے باوجود اس کانفرنس کے مندوبین نے آبادی کی پالیسی اور پروگراموں کے حوالے سے پہلی بین الاقوامی دستاویز کی داغ بیل ڈالی۔ انہوں نے اس دستاویز کے ذریعے آبادی کے عالمی منصوبے کی منظوری دی جس میں کہا گیا تھا کہ ہر شخص کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ آزادانہ طور پر اس بات کا فیصلہ کرے کہ اس نے اپنے خاندان کا کتنا سائز او ربچوں کے درمیان کتنا وقفہ رکھنا ہے اور اسے اس سلسلے میں مکمل علم وآگاہی اور ادراک کا بھی پورا حق ہے۔

1984ء میں میکسیکو کے مقام پر 149 ممالک بین الاقوامی کانفرنس برائے آبادی کے ضمن میں اکٹھے ہوئے تاکہ 1974ء کے پلان سے حاصل ہونے والے تجربے اور تحقیق کی روشنی میں اسے بہتر کرنے کے ساتھ آگے بڑھا سکیں۔ بالآخر 1994ء آ گیا جب مصر کے شہر قاہرہ میں 180 سے زائد ممالک اور دنیا بھر سے 1200 سرکاری وغیرسرکاری مندوبین اکٹھے ہوئے جسے آئی سی پی ڈی (ICPD) کا نام دیا گیا۔ اس کانفرنس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ کوئی ایک طریقہ، آبادی کو کنٹرول نہیں کرسکتا بلکہ اس کے لیے وسیع پالیسیوں کو اپنانے کی ضرورت ہے جن میں اعلیٰ کوالٹی کی صحت اور تولیدی صحت کی سہولیات، خاندانی منصوبہ بندی کی سہولیات اور خاندانی ضروریات کو تسلیم کیا گیا۔[۸۳]

عالمی بہبود آبادی کانفرنس اسلام آباد

4 تا 6 مئی 2005ء وزارت بہبود آبادی نے اسلام آباد میں تین روزہ بین الاقوامی بہبود آبادی علماء کانفرنس کا انعقاد کیا۔ اس سے قبل مصر، ترکی، مراکش اور تیونس میں بھی ایسی کانفرنسیں ہوچکی ہیں۔ یوں پاکستان میں ہونے والی یہ

۸۳۔ وزارت بہبود آبادی کا سہ ماہی خبر نامہ، جلد اول، شمارہ سوئم، اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۳ء

پانچویں کانفرنس تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس علماء کانفرنس کا اہتمام وزارت بہبود آبادی کی جانب سے کیا گیا ہے ورنہ اس کا انعقاد عموماً وزارت مذہبی امور کرتی ہے۔

قومی اسمبلی کی رکن ہونے کے ناطے راقمہ نے اپنے ایک وفد کے ساتھ اس کانفرنس میں شرکت کی۔ اس کانفرنس میں 23 ممالک کے وفود کو شرکت کی دعوت دی گئی جن میں سے 21 ممالک نے شرکت کی۔ بھارت اور سعودی عرب نے اس کانفرنس میں شرکت نہیں کی جو ایک معنی خیز بات ہے۔

اس کانفرنس میں دنیا بھر سے جن ممالک کے علمائے کرام نے شرکت کی ان میں بنگلہ دیش، چین، انڈونیشیا، ملائیشیا، ترکی، لیبیا، سوڈان، مراکش، افغانستان، پاکستان اور نائیجریا شامل ہیں جبکہ خواتین سکالرز نے بھی شرکت کی۔ پاکستان سے آزاد کشمیر سمیت 100 سے زائد علمائے کرام، سکالرز اور خواتین نے شرکت کی۔

وزیراعظم نے افتتاحی خطاب میں کہا کہ چھوٹے خاندان کو رواج دیا جائے۔ مسلم دنیا جنسی انتشار کا شکار ہے اس کو اجتہاد کے ذریعے ختم کیا جائے۔ قرآن، سنت، حدیث، اجتہاد و قیاس ہمارے مسائل کا حل ہیں۔ انہوں نے آبادی کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ آبادی بڑھتی ہے تو تعلیم صحت، خوراک اور رہائش کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ اس کانفرنس کے انعقاد سے مسلم امہ کو درپیش مسائل کا حل تلاش کرلیا جائے گا۔ اسلام کی آفاقیت کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اسلام مکمل دین فطرت ہے، یہ امن کا درس دیتا ہے اور دہشت گردی کی مذمت کرتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی اصولوں کے مطابق موجودہ مسائل کا حل تلاش کیا جائے۔ وزیراعظم نے واضح کیا کہ اقتصادی ترقی کے بغیر کوئی ملک ترقی نہیں کرسکتا چنانچہ موجودہ حکومت نے بہبود آبادی کے لیے ایک موثر پروگرام تشکیل دیا ہے تاہم ابھی مزید سفر باقی ہے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ این جی اوز حکومت، عوام اداروں کو مل کر جہالت اور فرسودہ نظام کا خاتمہ کرنا ہوگا۔ وزیراعظم کی تقریر کا اختتام اس پیغام پر ہوا کہ اسلام میں امتناع حمل کی ممانعت نہیں ہے۔ لیکن اس معاملے پر دو آراء پائی جاتی ہیں۔ مخالفین کی رائے پر غلبہ پانا اس کانفرنس کا بنیادی ہدف ہے۔[۸۴]

وفاقی وزیر بہبود آبادی چوہدری شہباز حسین نے کہا کہ یہ کانفرنس فیملی پلاننگ کے چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے ایک اہم پلیٹ فارم ہے۔ جس پر دنیا بھر کے سکالرز تبادلہ خیال کریں گے۔ حکومت نے 1.9 فیصد سالانہ شرح آبادی کے ہدف کے حصول کے لیے قلیل المدت پالیسی اپنائی اور 2020ء تک 1.3 فیصد کا ہدف مقرر کیا ہے۔

مختلف ممالک کے وفود کے تاثرات اس طرح تھے۔ لبنان کے شیخ یوسف ادریس نے کہا کہ اسلام فیملی پلاننگ کی ممانعت نہیں کرتا۔ لبنان گزشتہ 15 برس سے جنگوں کی لپیٹ میں ہے، تاہم اب ترقی کے لیے اقدامات کیے جا رہے ہیں جن میں آبادی کا معاملہ بھی سرفہرست ہے۔

علامہ ایاز علی قمی نے کہا کہ آیت اللہ سیستانی کا واضح فتویٰ ہے کہ اسلام میں فیملی پلاننگ کی گنجائش موجود ہے لہٰذا موجودہ تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس ضمن میں قدم اٹھانا چاہیے۔

سعودی عرب کے سفیر عبداللہ نے کہا کہ ان کے ملک میں بھی اس مسئلے پر غور کیا جا رہا ہے۔

۸۴۔ ماہنامہ چمن بتول لاہور، ص۱۲، جون ۲۰۰۵ء

البتہ سوڈان کے عبدالجلیل اکازوالی نے کہا کہ خاندان کے افراد خود اس مسئلے پر بہتر فیصلہ کرسکتے ہیں۔۸۵
ترکی کی خاتون مندوب ڈاکٹر سیفگی نعمان نے حکومت کے خلاف موقف پیش کیا۔

صدر پرویز مشرف نے اختتامی خطاب میں کہا کہ ماں اور بچے کی صحت، صنفی برابری اور امت کے مسائل سے نمٹنے کے لیے یہ کانفرنس خوش آئند اقدام ہے۔ اسلام میانہ روی کا درس دیتا ہے اس لیے وسائل کے مطابق آبادی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ علماء کرام آئندہ نسل کے بہتر مستقبل کے لیے امہ کو درپیش مسائل پر غور کریں۔

کانفرنس کے اختتام پر صدر نے علماء کو ان کا فرض یاد دلایا کہ وہ آبادی کے متعلق قابل عمل پالیسیاں وضع کرنے میں حکومت کا ساتھ دیں۔ علماء کو چاہیے کہ جو غلط فہمیاں مغربی دنیا میں اسلام کے بارے میں پائی جاتی ہیں وہ ان کا خاتمہ کریں اور اسلام کا اصل تصور دنیا کے سامنے پیش کریں۔

کانفرنس کے اختتام پر چوہدری شہباز حسین نے ایک پریس میں کہا:

''کانفرنس کے اعلامیہ پر عمل درآمد کے لیے پاکستان میں ایک مرکزی سیکرٹریٹ قائم کیا گیا ہے۔ پاکستان میں 13 ہزار علماء کرام اور مشائخ کو آٹھ روزہ تربیت دی جائے گی تاکہ وہ چھوٹے خاندان کو رواج دینے کے لیے کردار ادا کریں۔ اس دوران انہیں معقول وظیفہ دیا جائے گا۔ مشترکہ اعلامیہ کے الفاظ یہ ہیں: مسلم دنیا کے اسکالرز اور علماء بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنے اور ملکی ترقی وفلاح کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔''۸۶

بہبود آبادی کانفرنس میں شرکاء نے ایک قرارداد بھی منظور کی جس میں کہا گیا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اسلام میں جائز ہے اور اس سلسلے میں عملی اقدامات کیے جائیں گے۔ جنرل پرویز مشرف کی حکومت نے قرارداد کو بڑی کامیابی قرار دیا۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس کے بعد خاندانی منصوبہ بندی پر کسی کے اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔

اس کانفرنس میں شریک علماء، اسکالرز اور خواتین کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ اس میں ایسے علماء نے شرکت کی ہے جو سرکاری پالیسیوں کی حمایت کرتے ہیں۔ عالم اسلام کے نامور اور مستند علماء کا دور دور تک اس کانفرنس میں کوئی کردار نظر نہیں آتا۔ اس سے خود بخود واضح ہوجاتا ہے کہ ایسی کانفرنس کو عوام میں کوئی مقبولیت حاصل نہیں ہے۔

دوسری طرف عالم اسلام کے حکمرانوں کا اگر جائزہ لیا جائے، تب بھی یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ فی الوقت جو حکمران عالم اسلام کی نمائندگی کررہے ہیں وہ اپنی عبادات، تعلیم، اخلاقیات، معاشرت میں، سیاست غرض زندگی کے کسی بھی شعبے میں اسلام کے آفاقی اصولوں پر عمل کرتے نظر نہیں آتے۔ اس تناظر میں عالم اسلام کے لیے اجتہاد اور پالیسیاں وضع کرنا نہ تو عوام کے لیے پرکشش ہے نہ قابل عمل۔ اس تمام تر جائزے کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ 'سیکولر مسلم' حکمران جس رخ پر

۸۵۔ ۴-۶ مئی ۲۰۰۵ء بہبود آبادی کانفرنس منعقدہ اسلام آباد میں ترکی کی خاتون مندوب اور ایران کے وفد کا نقطۂ نظر بھی حکومتی موقف کے خلاف رہا اور انہوں نے اپنی تقاریر میں اس کا کھل کر اظہار بھی کیا۔

۸۶۔ بہبود آبادی کانفرنس: ۴تا۶ مئی ۲۰۰۵ء، اسلام آباد

دوڑتے چلے جا رہے ہیں، جو پالیسیاں تشکیل دے رہے ہیں یا ریاست کے تمام تر وسائل کو عوام الناس کی تعلیم اور میڈیا کے ذریعے پروپیگنڈے کے لیے استعمال کررہے ہیں، ان کے اثرات کا نہ ہونا ناقابل فہم ہے۔ نوجوان نسل اور کچے ذہن دینی تعلیمات سے بے بہرہ افراد بہرحال تبدیلی کے بڑے عمل سے دوچار ہوئے ہیں۔ طویل عرصے سے اعلیٰ تعلیم کے مراکز یورپ یا ہر مسلم ممالک میں ان کے پرائیویٹ ادارے، این جی اوز، آغاخان بورڈ سب مل کر پاکستان اور دیگر مسلم ممالک کے نظریاتی ڈھانچے کو شدید طور پر متاثر کرچکے ہیں۔

عالمی بہبود آبادی کانفرنس انڈونیشیا

13 تا 15 فروری 2007ء کو انڈونیشیا میں خاندانی منصوبہ بندی پر سہ روزہ کانفرنس منعقد کی گئی جس میں ہندوستان، بنگلہ دیش، پاکستان، چین، ایران، ترکی، تھائی لینڈ، اردن اور تنزانیہ سمیت 14 ملکوں کے 125 مسلم شرکاء نے شرکت کی تھی۔

یہ کانفرنس اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مسلمان صرف جذباتی امور کی طرف ہی توجہ نہیں کرتے بلکہ ترقی اور خوش آئند تغیرات کے تعلق سے بھی گہری وابستگی ہے۔ انڈونیشیا کی وزارت برائے مذہبی امور کے ڈائریکٹر جنرل نصیرالدین عمر نے کہا کہ مذہبی سرپرستی کے بغیر خاندانی منصوبہ بندی کو کامیاب بنانا ممکن نہیں ہے کیونکہ خاندانی منصوبہ کو مذہبی حوالے سے ہی مسترد کیا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ آبادی فنڈ کے ایشیا کے ڈائریکٹر سلطان اے عزیز نے مشورہ دیا کہ مسلم ملکوں کو چاہیے کہ وہ مذہبی تعلیمات کو غلط طریقے سے عام نہ کریں اور جانبدارانہ تہذیبی اصولوں کو چھوڑ دیں۔ یہ چیزیں معاشرتی بہبود اور خاندانی منصوبہ بندی کی راہ میں حائل ہیں۔ انہوں نے مذہبی رہنماؤں کو خاندانی منصوبہ بندی سے بہرہ ور کرنے پر زور دیا اور کہا کہ مذہبی انتہا پسندی کے موجودہ ماحول میں اب وقت آگیا ہے کہ معاشرتی اور اقتصادی ترقی کے شعبوں میں مسلم قیادت سامنے لائی جائے۔

سماجی بہبود کے لیے خصوصی مہمات

سماجی بہبود کے اس پروگرام کو بڑے پیمانے پر عام کرنے اور اس کے بارے میں عوامی آگاہی پیدا کرنے کے لیے بعض خصوصی مہمات بھی چلائی جاتی ہیں۔ ذیل میں ہم ان مہمات کا ایک جائزہ پیش کریں گے۔

عالمی یوم آبادی اور نوجوان نسل

11 جولائی 1987ء سے یوم آبادی کا دن بذریعہ اقوام متحدہ قرار پاچکا ہے، اقوام متحدہ کوئی دن طے کرے پھر وہ منایا نہ جائے یہ کیسے ممکن ہے؟ پاکستان میں بھی 1990ء سے یہ دن باقاعدگی سے منایا جاتا ہے۔ اس وقت دنیا کی آبادی 16 ارب 39 کروڑ ہے جن میں نوجوان یعنی 25 سال سے کم عمر افراد کی تعداد 3 ارب ہے گویا کل دنیا کی آبادی میں نوجوان نصف حصہ ہیں یہ تو بہت ہی خوشگوار بات ہے اس بات پر جس قدر اطمینان کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ اقوام متحدہ کا خیال ہے کہ یہ مناسب بات نہیں ہے۔ آبادی کو کم کرنا چاہیے کیونکہ ''دنیا کو بڑھتی ہوئی آبادی سے خطرات لاحق ہوچکے ہیں (دنیا سے مراد یہود ونصاریٰ کی دنیا ہے۔ اقوام متحدہ کے کرتا دھرتا اسی زبان میں بات کرتے ہیں) نوجوان ''آبادی کا بونس'' ہیں انہیں بہترین آگاہی، تعلیم وتربیت کی مد میں اربوں ڈالر خرچ کرکے نوجوانوں کو سمجھایا اور اکسایا جائے گا وہ کیا عملی طریقے استعمال

کریں کہ دنیا میں لطف بھی اٹھائیں اور دوسروں کو آنے سے اور لطف کا مزہ کرکرا کرنے سے حتی الامکان روک بھی دیں۔ یہی ان کے نزدیک بہترین مستقبل کی تعریف ہے۔

آبادی میں اضافہ کس طرح ناپا جاتا ہے

آبادی میں نوجوانوں کا اضافہ دراصل آبادی ناپنے کا پیمانہ ہے یعنی ملک میں دیکھا جاتا ہے کہ اس سال کتنے نوجوان 15 سال سے لے کر 25 سال تک کی عمر کے موجود ہیں، اس تعداد کو آبادی میں اضافہ کہا جاتا ہے۔ 1951ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی 3 کروڑ 34 لاکھ تھی، 1989ء کی مردم شماری کے مطابق ساڑھے تیرہ کروڑ 2005ء تک اندازاً 16 کروڑ آبادی الحمدللہ ہوچکی ہے، 1951ء میں بہبود آبادی پروگرام شروع کیا گیا۔ اس وقت پاکستان کی آبادی میں نوجوانوں کے اضافہ کی رفتار 3.4 تھی۔ 2000ء میں یہ اضافہ گھٹ کر 2.25 اور 2006ء میں یہ رفتار گھٹ کر 1.89 ہوچکی ہے۔ حکومت کا عزم ہے کہ اسے مزید گھٹا کر 1.3 تک لانا ہے۔ [۸۷]

آخر کیا وجہ ہے کہ حکومت نوجوانوں کو گھٹانا اور بوڑھوں کو بڑھانا چاہتی ہے؟ یہ ایک سازش ہے، خوبصورت الفاظ کے ساتھ گول مول موقف کے ساتھ زبردست پروپیگنڈے کے ساتھ، اگر اس سازش کو چند الفاظ میں بیان کیا جائے تو بات یوں ہے یہود و نصاریٰ نے اپنی آبادیاں عیش و عشرت کے لیے کم کرلی ہیں اب وہ برداشت ہی نہیں کرسکتے کہ دیگر اقوام کے نوجوانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

نوجوانوں کے اضافے کا مقصد 'دنیا' پر غلبہ ہے، ان قوموں کو واضح طور پر نظر آ رہا ہے کہ دنیا پر ان کا کنٹرول جلد ختم ہوجائے گا اس لیے یہ قومیں اقوام متحدہ کے منصوبوں کی آڑ میں دیگر قوموں کا زبردست قتل عام کررہی ہیں۔ ایران، عراق، افغانستان، فلسطین، چیچنیا، کشمیر میں زبردست طریقے سے عسکری بنیادوں پر قتل عام ہوا ہے اور جاری ہے، پاکستان، سعودی عرب، شام، لبنان، انڈونیشیا، سوڈان، نائیجیریا، الجزائر، صومالیہ غرض دنیا کے بے شمار ممالک ایسے ہیں، جن کی آبادیاں اقوام متحدہ کے کرتا دھرتا کے لیے خوف کی علامت ہیں، اس خوف کا اظہار وہ ہر وقت پوری منافقت سے خوبصورت الفاظ میں شعور، تعلیم و تربیت، معیشت، روزگار، خوش حالی، امن کے نام سے کرتے رہتے ہیں ان کے نعرے اس طرح ہیں۔

- ☆ بلا سوچے سمجھے آبادی میں اضافہ کرنا ''جہالت'' ہے۔ اور آبادی میں اضافہ کرنا اور تدبیر نہ اختیار کرنا ''جانوروں'' کا فعل ہے۔ آبادی میں اضافہ خوراک کی کمی، سکولوں کی کمی، رہائشی سہولتوں میں کمی، پانی کی کمی، ہسپتالوں کی کمی، غربت و جرائم میں اضافے اور ٹریفک و کچی آبادیوں میں اضافے کا سبب ہے۔
- ☆ ''یونانی مفکر ارسطو کا کہنا تھا کہ کثیر آبادی کی ریاستوں میں افلاس 'انقلاب و جرائم' کا سبب بنتا ہے، اس نے ریاست کو ایک بحری جہاز سے تشبیہ دی تھی جس میں سوار مسافروں کی تعداد بڑھ جائے تو جہاز ڈوب جاتا ہے۔''
- ☆ ہمارے ذرائع ابلاغ کثیر آبادی کا ہولناک منظر پیش کرتے ہیں جس میں بتایا جاتا ہے آبادی کا عفریت آدم بو کرتا وسائل کو ہڑپ کررہا ہے۔ سنگین جرائم کو گود میں پال رہا ہے، لوگ نان جویں کو ترس رہے ہیں، ''نوجوان'' نوکریوں

۸۷۔ رپورٹ ۲۰۰۶: قومی شماریات کا ادارہ حکومت پاکستان (National Statistics Bureau Pakistan-2006)

کے لیے مارے مارے پھر رہے ہیں، بنت حوا کوچہ و بازار کی زینت بنی ہوئی ہے، لوگ اپنے اعضاء اور والدین اپنی اولاد کو فروخت کرنے کے درپے ہیں، وسیع آبادی سڑکوں پر زندگی گزارنے پر مجبور ہے، ٹریفک کا ہجوم بڑھتا جارہاہے، اسپتالوں میں بیماروں کے بستر، ڈاکٹر، نرسیں اور داخلے کے مسائل شدت سے اختیار کررہے ہیں، پینے کے پانی اور بہتر خوراک کا حصول مشکل تر ہوتا جارہاہے، کھیت کھلیان کی فی کس شرح گھٹتی جارہی ہے، کچی آبادیوں میں تیزی سے اضافہ ہورہاہے، فی کس آمدنی کی شرح انتہائی کم ہورہی ہے اور امیر وغریب کے مابین فرق بہت تیزی سے بڑھ رہاہے۔ یوں خواہشوں میں جینے اور مسرتوں میں مرنے والوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جارہاہے۔''[۸۸]

نوجوان نسل اس دردناک منظر نامے کو پڑھے گی تو کیوں نہیں متاثر ہوگی، کون ایسا ہے جو جاہل، جانور، اناج کا دشمن، پانی کا دشمن، گاڑیوں کا دشمن، اسکول کالجوں کا دشمن، نوکریوں کا دشمن، سڑکوں کا دشمن، مکانوں کا دشمن، دوائیوں کا دشمن کہلائے گا۔

''اے نوجوانو !2006ء تمہیں پکار رہاہے۔ آنے والوں کو روک دو مستقبل ''صرف تمہارا'' ہے۔ کیا خوبصورت خواب ہے جو الفاظ، اشتہارات تمثیلات اور نہ جانے کن کن ذرائع سے مسلسل دکھایا جا رہاہے۔ 1951ء سے لے کر 2006ء تک آبادی میں کمی بتا رہی ہے کہ نوجوان نسل اس خواب کی اسیر ہوگئی ہے، جب ہی تو اقوام متحدہ کے حوصلے بلند ہوگئے ہیں اقوام متحدہ نے براہ راست نوجوانوں کو انعامات دینے شروع کردیے ہیں۔''ان کا دن'' خصوصی توجہ دینے کے لیے ہی ہے۔

نوجوان نسل کا یوم کیوں منایا جارہاہے

اقوام متحدہ نے اس موقع پر جو اغراض ومقاصد بیان کیے ہیں اور اخبارات میں رپورٹ ہوئے ہیں وہ اس طرح 1988ء میں آبادی کا یوم منانے کا فیصلہ کیا گیا کیوں کہ 1987ء میں دنیا کی آبادی 5ارب تک پہنچ گئی۔ ''یونائیڈڈ پاپولیشن فنڈ'' نے ہر سال 11 جولائی کو یہ دن منانے کا فیصلہ کیا اس سال نوجوان نسل کو براہ راست مخاطب کیا جائے گا، آبادی روکنے کے منصوبوں میں نوجوانوں کو شریک کیا جائیگا، نوجوانوں کی صلاحیتوں کو بہتر بنایا جائے گا۔ ان کی معلومات اور جذبوں کو مہمیز دی جائے گی، نوجوانوں کو پالیسی سازی اور پروگرامنگ میں شریک کرکے ان کے اعتماد میں اضافہ کیا جائے گا، تاکہ وہ اپنے حقوق اور ذمہ داریوں کی بجاآوری کے لیے تیار ہوسکیں۔

اقوام متحدہ نے گزشتہ سولہ سالوں کی کارکردگی کو اطمینان بخش قرار دیا ہے ہر سال 11 جولائی کو ''نوجوان'' کو خصوصی ہدف بنایا گیا اس موقع پر ان کے درمیان مقابلہ مضمون نویسی، پوسٹرز، مقابلے، ڈراموں کے مقابلے کرائے گئے اور ان کے ذریعے سے مسائل کو خوبصورت انداز میں اجاگر کیا گیا اسی بناء پر 11 جولائی 2006ء خصوصی نوجوان نسل کا دن قرار پایا ہے، اس سال 10 سال سے 24 سال کے نوجوان اس پروگرام کا ہدف ہیں، تمام سرگرمیاں ان نوجوانوں کو ہدف بنا کر طے کی جائیں گی۔

۸۸۔ عالمی بہبود آبادی کانفرنس، ماہنامہ چمن بتول، جون ۲۰۰۵ء ص۔۲۴

12 اکتوبر 1999ء کا لطیفہ

12 اکتوبر 1999ء کو چھ ارب آبادی کا دن قرار دیا گیا۔ اقوام متحدہ کے زیر انتظام عالمی سطح پر قوموں کو متوجہ کرنے کے لیے فضا تیار کی گئی۔ سائنس دانوں اور آبادی کو شمار کرنے والوں نے بتایا 9 اگست 1999ء کو آبادی چھ ارب ہو جائے گی چھ ارب کا ہندسہ پورا کرنے والے بچے کو خوش آمدید کہا جائے گا۔ پھر پتہ چلا اگست میں یہ تعداد پوری نہیں ہو رہی، 12 اکتوبر 1999ء کو یہ تعداد پوری ہوگی۔ 12 اکتوبر کی درمیانی شب بوسنیا ہرزیگونیا کی فاطمہ نویک کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے کو چھ ارب پورے کرنے والا بچہ قرار دیا گیا اقوام متحدہ کے نمائندے سیکرٹری جنرل کوفی عنان نے اس بچے کو خوش آمدید کہا۔ اس عالمی فضا میں یہ پیغام پوشیدہ ہے کہ ہم آبادی پر مکمل نظر رکھتے ہیں۔ بوسنیا یورپ کا چھوٹا سا ملک ہے۔ گویا ہر چھوٹا بڑا ان کی نظر میں ہے۔ پوری دنیا کنٹرول کرنا ان کا خواب اور عزم بھی ہے۔ نتائج کے حصول کے لیے یہ اقوام مستقل مزاج بھی ہیں اور سخت محنت کرنے کی قائل بھی۔

مغربی اقوام بڑھتی ہوئی آبادیوں سے کیوں خائف ہیں

امریکی شماریاتی بیورو کی رپورٹ کے مطابق 25 فروری 2006ء کو زندہ لوگوں کی تعداد 6.5 بلین تک پہنچ چکی ہے۔ اس آبادی میں ترقی پذیر ممالک میں 3 سے 7 فیصد اضافہ کیا ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک میں اضافے کی شرح بہت کم ہے جاپان میں شرح آبادی میں اضافہ 0.5 فیصد جرمنی میں 0.3 فیصد برطانیہ میں 0.2 فیصد امریکہ میں ایک فیصد اضافہ ہو رہا ہے۔[۹۲]

پاکستان میں 1972ء تا 1981ء شرح آبادی میں اضافہ 3.05 تھا۔ 2006ء میں 1.9 فیصد ہے اسے بھی خطرناک قرار دیا جا رہا ہے۔ بنگلہ دیش میں 1.5 فیصد ہے ایران میں 1.2 فیصد ہے۔ واضح رہے کہ ایران میں فیملی پلاننگ پروگرام کامیاب نہیں تھا، عراق ایران جنگیں مسلط کر کے ایران کے لاکھوں نوجوانوں کو شہید کر دیا گیا نتیجتاً شرح آبادی زبردست متاثر ہوگئی۔ اسی طرح عراق، فلسطین، افغانستان، بوسنیا، چیچنیا، کشمیر کی آبادیوں کی شرح میں جنگوں کے ذریعے زبردست کامیابی حاصل کی گئی۔ قارئین ذہن نشین کرلیں آبادی کا فیصد ناپنے کا پیمانہ ''نوجوان چ' ہیں۔ جس آبادی میں مناسب رفتار سے نوجوان شامل نہ ہوں وہ آبادی 'غریب' ہو جاتی ہے۔ آج دنیا کی بالا دست قومیں 'غریب' ہو چکی ہیں آج ہم 'امیر' ہیں لیکن بد قسمتی سے ہماری امارت کا پروپیگنڈہ کرنے والا کوئی نہیں ہے، بلکہ آدم بو آدم کر کے ڈرانے والے موجود ہیں۔ یورپی اقوام کے پاس اپنے اسپتال ہیں، اچھی خوراک ہے۔ اسکول ہیں، یونیورسٹیاں ہیں، رہائش گاہیں ہیں، سڑکیں ہیں، گاڑیاں ہیں، نہ جانے کیا کیا زندگی کے لطف ہیں۔ لیکن وہ غریب ہیں۔ ان کا نام مٹنے والا ہے ان کی آبادیوں میں ان کے ہم وطنوں میں نوجوانوں کا اضافہ نہیں ہو رہا۔ تارکین وطن با صلاحیت افراد ان ممالک میں مسلسل بڑھتے جا رہے ہیں یہ وہ انقلاب ہے خاموش انقلاب جو دنیا میں رونما ہو رہا ہے، اس کے نتائج نے یورپ اور امریکہ کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔ سابق امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے امریکہ کو مشورہ دیا تھا کہ مسلم آبادیوں کو ایٹمی ہتھیاروں کے ذریعے تلف کر دیا جائے۔'' امریکہ اپنے

۹۲- State Department:- Statistics Bureau Report-2006

دانشوروں کے مشوروں پر عمل پیرا ہے، اس کا کوئی بھروسہ نہیں وہ ایٹم بم بھی ''آبادی کے ایٹم بم'' کو روکنے کے لیے استعمال کرے۔۹۰

دنیا بھر کی طرح پاکستان میں بھی ہر سال ''عالمی یوم صحت'' منایا جاتا ہے مگر بدقسمتی سے دوسرے تمام عالمی ایام کی طرح یہ عالمی دن بھی کانفرنسیں، مذاکرات، تقریریں کرتے گزر جاتا ہے۔ اس روز تقریروں میں خوفناک اعداد وشمار تو ضرور پیش کردیے جاتے ہیں مگر افسوس کہ وطن عزیز کی اکثر خواتین کو صحت کی سہولیات کی فراہمی میں اس دن کا کوئی کردار نہیں ہے۔ تبھی یہ عالم ہے کہ صرف 10 سے 20 فیصد عورتوں کو دوران حمل اچھی غذا اور صحت کی سہولتیں حاصل ہوتی ہیں جبکہ ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں سالانہ 30 ہزار مائیں مناسب اور بر وقت طبی سہولتیں نہ ملنے کی وجہ سے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔ ''ماں بچاؤ، خاندان بچاؤ'' کے عنوان سے منعقدہ ایک سیمینار میں ڈاکٹر فرح زمان نے بتایا تھا کہ 100 میں سے تقریباً 40 خواتین کو ایسی پیچیدگی ہوتی ہے کہ علاج ہوجائے تو تو صحت یاب ہوجاتی ہیں جبکہ ان میں 15 ایسی جان لیوا ہوتی ہیں کہ مناسب اقدام نہ کیے جانے پر جان ضائع ہوجاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں ایک لاکھ میں سے 350 خواتین زچگی کے دوران انتقال کرجاتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دراصل ہمارے ہاں عورت کو سیریس نہیں لیا جاتا۔۹۱

ہمارے معاشرے میں ماں کو بچانے میں تین جگہوں پر مدد ملنے میں دیر ہوجاتی ہے:

1۔ گھر کی سطح یعنی فیصلہ ہونے میں دیر کہ مدد کی ضرورت ہے یا نہیں۔

2۔ مریضہ کو ہسپتال یا صحت مرکز میں منتقل کرنا اس کے لیے ٹرانسپورٹ یا سڑک کا بندوبست ہو، اگر پہلا فیصلہ جلدی ہوجائے تو پھر دوسرے میں بھی آسانی رہتی ہے۔

3۔ ہسپتال یا مرکز صحت پہنچنے کے بعد ڈاکٹر، تربیت یافتہ عملہ یا دوا کی عدم دستیابی۔

ان تینوں سطحوں پر دیر ہونے سے ماں کی زندگی ختم ہوجاتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ماں کی مدد کس کس طریقے سے ہوسکتی ہے۔ حمل کے دوران ایک سے زیادہ مرتبہ طبی سنٹر میں معائنہ کروانا، زچگی کا عمل تربیت یافتہ دایہ کے ذریعے انجام پانا، پیچیدگی کی صورت میں جلدی محفوظ مقام تک منتقل کرنا کہ اگر صرف دایہ ہی تربیت یافتہ ہو تو ماؤں کی اموات کی شرح انتہائی کم ہوسکتی ہے۔ سسرال کے طعنے، شوہر کا بیرون ملک چلے جانا، بچے کا معذور ہونا، پڑھائی میں دلچسپی لینا، گھر سے بھاگ جانا، شادی کا کامیاب نہ ہونا، کورٹ کچہریوں کے مسائل، رشتہ طے ہونے سے پہلے ملنے جلنے والوں کے سوالات اور نجانے کیا کیا تفکرات ہیں جو عورتوں کی جان کا عذاب بنے ہوئے ہیں۔ ان پریشانیوں کے باعث کچھ عورتیں ذہنی امراض کا شکار ہوجاتی ہیں۔ ''ایک تحقیق کے مطابق پاکستان میں سائیکاٹری کلینک اور ہسپتال میں دو تہائی سے زائد خواتین زیر علاج ہیں جبکہ دیہی ماحول اور کافی حد تک شہری وقصباتی ماحول میں اس قسم کے علاج کا کوئی رواج نہیں ہے۔ انہیں ہسٹیریا یا تشنج یا ڈپریشن کی علامات ظاہر ہونے لگیں تو اسے بھوت پریت اور آسیب سے تعبیر کیا جاتا ہے''۔۹۲

۹۰۔ عالمی بہبود آبادی کانفرنس، ماہنامہ چمن بتول، جون ۲۰۰۵ء ص ۲۴

۹۱۔ رفیعہ ناہید اکرام، عورتیں اور صحت کی حالت زار، روزنامہ نوائے وقت، ۳۰ جون ۲۰۰۸ء

۹۲۔ رفیعہ ناہید اکرام، عورتیں اور صحت کی حالت زار، روزنامہ نوائے وقت، ۳۰ جون ۲۰۰۸ء

خواتین میں صحت کے مسائل کی بڑی وجہ ناخواندگی ہے کہ ماہرین کے مطابق تین جماعتیں پاس عورتیں، ناخواندہ عورتوں کی نسبت اپنی اور اہل خانہ کی صحت کا زیادہ بہتر خیال رکھتی ہیں جبکہ ناخواندہ عورتیں تو دوائی کی شیشی پر لکھی گئی ہدایات بھی نہیں پڑھ سکتیں اور نتیجے میں غلط استعمال سے اپنا اور بچوں کی صحت کا ستیاناس کر لیتی ہیں بہت سے گھرانوں میں اچھا کھانا میسر ہوتا ہے مگر عورت کے تعلیم یافتہ نہ ہونے کے باعث اسے متوازن غذا کی اہمیت کا کچھ علم نہیں ہوتا جس سے وہ کھاتے پینے گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود صحت کے مسائل کا شکار ہوجاتی ہے۔ بہت سی خواتین باسی روٹی، بچا کھچا شوربہ یا اچار چٹنی سے پیٹ بھر لیتی ہیں کہ ساری بچت انہیں اپنی شخصیت کا خیال رکھتے وقت ہی یاد آئی ہے اور علاج معالجے کے سلسلے میں بھی خود کو نظر انداز کرنا ان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ بہت ہوا تو حکیم، کسی پیر فقیر یا عطائی ڈاکٹر کے ہاں چلی گئیں جبکہ کچھ عورتیں ہسپتالوں کے چکر کاٹ کاٹ کر وہاں کے جملہ مسائل سے مایوس ہونے پر شارٹ کٹ ڈھونڈتے اور مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مصداق وہ قبر میں اترنے تک انہی بیماریوں کی آماجگاہ بنی روز جیتی اور روز مرتی رہتی ہیں۔

> ''بہبود آبادی اور صحت کے اداروں کے نام پر کروڑوں کی امداد دینے والی حکومتوں نے عورت کی صحت کی حالت زار پر کبھی توجہ نہ کی۔ زچہ بچہ کے حوالے سے ایک رپورٹ ڈان کی 30 نومبر 2003ء میں چھپی ہے جس کے حقائق ہولناک ہیں۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ صحت کی ناکافی سہولتوں کی وجہ سے پاکستان میں 80 فیصد زچگیاں گھر پر ہوتی ہیں اور ایک لاکھ میں 533 خواتین دوران زچگی جان سے گزر جاتی ہیں''۔ ۹۳

ایک عورت کے مرجانے سے اس کے پورے خاندانی نظام پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس سے ہر ذی شعور واقف ہے۔ ماں جو پورے گھرانے کو اپنے شفیق وجود میں سمیٹے ہوئے ہوتی ہے۔ اس کا سایہ ہی اگر جوانی میں گھر سے اٹھ جائے تو صورت حالات کتنے دگرگوں ہوجاتے ہیں۔ یہ ہم سب کو علم ہے۔

چیخیں جو ہم نہیں سنتے

گزشتہ ایک عشرے تک اعداد و شمار کے کارخانے میں یہ خیال عام رہا کہ زچگی کے دوران ہر سال 5 لاکھ اموات رونما ہوتی ہیں۔ 1996ء کے نئے تخمینوں نے پہلی بار یہ بتایا کہ حمل اور وضع حمل کے دوران ہر سال مرنے والی عورتوں کی تعداد 6 لاکھ کے قریب جا پہنچی ہے۔

لیکن اس سے پہلے کہ پرانے اندازوں کی جگہ نئے تخمینوں کو رکھ کر اس مسئلہ کو حل شدہ سمجھ لیا جائے، یہ کہنا شاید بے حد ضروری ہے کہ اسی قسم کے اعداد و شمار کو عام زندگی میں استعمال کرنے کی اجازت دے کر ہم نے ایک بڑی غلطی کی ہے، کیونکہ یہ اموات عام اموات نہیں ہیں۔ موت تو اس داستان کا صرف ایک حصہ ہے جو ابھی پوری نہیں سنی گئی۔

وہ مرجاتی ہیں، ہزاروں لاکھ عورتیں بیس تیس سال کی عمر میں ایسے طریقوں سے مرجاتی ہیں جو عام انسانی تجربوں سے یکسر مختلف ہوتے ہیں۔

۹۳۔ Zofeen Ebrahim:- Midwives and maternal mortality-Dawn Nov-30-2003

علاقہ	فی دس لاکھ کے لیے ڈاکٹر	فی دس لاکھ آبادی کے لیے اسپتال کے بستروں کی تعداد	علاقہ	فی دس لاکھ آبادی کے لیے ڈاکٹر	فی دس لاکھ آبادی کے لیے اسپتال کے بستروں کی تعداد
بدین	230	241	میرپورخاص	215	465
دادو	309	352	نوشہروفیروز	217	66
گھوٹکی	147	131	نواب شاہ	381	719
حیدرآباد	419	1238	سانگھڑ	183	266
جیکب آباد	136	264	شکارپور	307	291
کراچی	407	1277	سکھر	259	1597
خیرپور	231	213	تھرپارکر	95	77
لاڑکانہ	323	735	ٹھٹھہ	270	297

بچوں کی صحت کی مجموعی صورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر افروز نے کہا کہ ''اعداد و شمار کے ساتھ بات کی جائے تو معاملہ کافی گھمبیر دکھائی دیتا ہے۔ دوران حمل، زچگی کا عمل، نومولود کی صحت اور پھر پانچ برس تک کی عمر کا عرصہ، ہمارے حالات کے مطابق خاصے صبر آزما مراحل ہیں۔ ہمارے یہاں ایک ہزار میں 815 بچے پہلی سالگرہ سے قبل ہلاک ہوجاتے ہیں۔ اس سے آدھے، زندگی کے پہلے چار ہفتوں موت کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور تقریباً 50 فیصد بچوں کو زندگی کی چھٹی بہار دیکھنا نصیب نہیں ہوتی۔ تو اس لحاظ سے صورت حال کافی تشویشناک ہے لیکن میں سمجھتی ہوں کہ اگر کوششیں جاری رکھی جائیں تو حالات بدل جائیں گے۔ یہ سچ ہے کہ ترقی کی رفتار سست ہے، لیکن یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ ہم نے اتنے برسوں میں کچھ حاصل ہی نہیں کیا۔ اگرچہ ہم میلینیم ڈویلپمنٹ گولز حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ 2005ء تک پولیو کا خاتمہ، ہمارا ایک اہم ہدف تھا جو بدقسمتی سے پورا نہیں ہوسکا، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہم مکمل طور پر ناکام ہیں۔ پولیو پر بہت حد تک قابو پالیا گیا، مزید کامیابیاں بھی حاصل ہوں گی۔ اب ہمارا ایک اور اہم ہدف 2015ء تک بچوں کی شرح اموات نصف کرنا ہے۔ خدا کرے کہ ہم اس ٹارگٹ کو پورا کرنے میں کامیاب ہوجائیں۔ میرے خیال میں تو اس ہدف کے حصول کا بہترین طریقہ لیڈی ہیلتھ ورکرز کی تعداد میں اضافہ ہے۔ فی الوقت، جو 80 ہزار تک لیڈی ہیلتھ ورکرز تیار کی گئی ہیں، اگر ان کی تعداد مزید بڑھ کر کم از کم ایک لاکھ تک کردی جائے تو جلد اچھے نتائج سامنے آسکتے ہیں۔''[۹۴]

ڈاکٹر افروز نے عالمی یوم صحت کے پیغام کے طور پر چند تجاویز پیش کرتے ہوئے کہا، ملک میں پرائمری تعلیم کو لازمی قرار دیا جانا چاہیے۔ اس حوالے سے اگر قوانین بنادیے جائیں تو بہت اچھا ہے۔ (پنجاب اور سندھ میں قانون بنادیے گئے ہیں، عمل نہیں ہورہا۔) غربت میں کمی کے لیے خاندانی منصوبہ بندی بے حد ضروری ہے، کیونکہ جب تک آبادی پر قابو

۹۴۔ عبدالسلام سلامی ''حق مانگتی ہے یہ حوا کی بیٹی'' ص۱۰، یونیسف Women's Right of Life and Health project, Sindh

نہیں پایا جائے گا، جہالت پسماندگی اور بے روزگاری کا خاتمہ ممکن نہیں ہوگا۔ ایمرجنسی اوبس ٹیٹ رکس کیئر کو جس حد تک عام کیا جاسکے، اتنا اچھا ہے۔ بچوں کے لیے خطرناک اور مہلک امراض کے خاتمے کے لیے ویکسی نیشن اور فوری تشخیص وعلاج کو یقینی بنایا جائے جیسے او آر ایس کی دریافت کے بعد اسہال سے ہونے والی اموات کی شرح میں کمی آئی ہے۔ اسی طرح اگر مرض کی شرح میں بھی کمی آجائے تو یہ بھی ایک بڑی کامیابی ہوگی۔''

اللہ کے غضب کو سرِ عام دعوت

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اقوام متحدہ کے ادارے یونائیٹڈ نیشنز پاپولیشن فنڈ (UNFPA) کے تعاون سے کراچی میں 9 جولائی 2009ء کو طوائفوں کی ایک تین روزہ ورکشاپ کرائی گئی۔ اس میں سو سے زائد عورتوں نے ''سیکس ورکرز'' کے طور پر شرکت کی۔ اس قبیح ورکشاپ کا انعقاد مختلف این جی اوز کے تعاون سے کیا گیا جن میں سرفہرست جینڈ اینڈ ریپروڈکٹو ہیلتھ فورم (GRHF) جس کے سربراہ مسٹر علیم بیگ ہیں۔ جن کا دعویٰ ہے کہ ان کی تنظیم پچھلے سولہ برس سے سیکس ورکرز میں آگاہی پیدا کرنے کا کام کررہی ہے۔

اس ورکشاپ میں میل فیمیل کو کنڈوم کے استعمال سے نہ صرف آگاہی دی گئی بلکہ شرکا میں سے چند کو ماسٹر ٹریزز کے طور پر تیار کیا گیا ہے جو اس فیلڈ میں لوگوں کو ٹریننگ دیں گی۔ اس ورکشاپ میں سو سے زائد عورتوں نے شرکت کی جس کو دیکھتے ہوئے ورکشاپ کے آرگنائزرز نے اگلی ورکشاپ لاہور میں منعقد کی اور پھر اسی موضوع پر اگلے برس قومی کنونشن منعقد کرنے کا ارادہ ہے۔ اس ورکشاپ میں شرکت کے لیے ترغیب کے طور پر یومیہ ایک ہزار معاوضہ بھی دیا گیا۔ ان کے بقول ان کی تنظیم اقوام متحدہ جیسے ادارے کے تعاون سے اپنے مقاصد کے حصول پر خصوصی توجہ دے رہی ہے۔[۹۵]

واضح رہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں جسم فروشی پر پابندی ہے اور یہ قبیح فعل اب تک چھپ چھپا کر کیا جاتا ہے اور اب ان ورکشاپس کے ذریعے تربیت دے کر اسے باقاعدہ کاروبار (سیکس ورکر) کا نام دے کر قانونی قرار دلوانے کی مذموم جسارت کی جارہی ہے گویا نام نہاد ''حقوق نسواں بل'' کی آڑ میں جس طرح حدود آرڈیننس کو منسوخ کیا گیا اب سرعام فحبہ گری کے طریقے سکھا کر اسے دستوری قرار دلایا جائے گا۔

ایڈز کا بڑھتا ہوا مرض، انسانیت کے لیے تباہی

انٹرایجنسی میمورنڈم 91-10005 ماہ جولائی میں کلاسیفائڈ چینلز سے تقسیم کیا گیا جس میں انسانی تجربہ میں آنے والی بربادیوں میں سے ایک کی پیشین گوئی کی گئی تھی اس کا عنوان تھا ''عالمی آفت ایڈز'' اور اس میں ان افراد کی رپورٹ دی گئی تھی جن کی اکثریت افریقی ہے۔ دوسری عالمی جنگ اور کوریا اور ویت نام کی جنگ میں مرنے والوں کی تعداد بھی اس کے سامنے کم نظر آنے لگتی ہے۔

14ویں صدی میں یورپ میں نازل ہونے والی ''سیاہ موت'' کی آفت جس نے آدھی آبادی کو نگل لیا تھا، کے برعکس موجودہ آفت ''ایڈز'' کے کنٹرول کے ذرائع عام ہورہے ہیں لیکن افریقی اور بعض دیگر حکومتیں درمیانے درجہ کی جدوجہد

۹۵۔ ورکشاپ سیکس ورکرز، بی بی سی اردو ڈاٹ کام، ۱۱ جولائی ۲۰۰۹ء (B.B.C .Urdu.Com.11-7-09)

ہی کررہی ہیں جو کسی نقصان کا ہی پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے۔

یہی کچھ IIM91-10005 میں کہا گیا ہے۔ یہ دستاویز وائٹ ہاؤس اور کیبنٹ ایجنسیز میں متعارف کرائی گئی۔ رپورٹ میں نمایاں مصنف کیتھ براؤن کے مطابق ردعمل بے اعتنائی و لا پروائی پر مبنی تھا۔ مصنف نے بریفنگ کے دوران ہڑبڑاہٹ سے بچنے کے لیے تیاری کی تھی جو انٹیلی جنس کے مواد کے اجراء پر سامنے آتی ہے۔ کسی نے بھی سرجن جنرل سی ایورٹ کوپ اور پینٹا گون میڈیکل یونٹ کو بچانے کا مطالبہ نہیں کیا۔

9 سال بعد کلنٹن انتظامیہ، کانگریس غیر ملکی سرمایہ، امریکی نظام اور ادویات کی تیاری کے مراکز میں عوامی بیداری اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ایڈز پر ان کی فرض شناسی کا یہی عالم ہے کہ انہیں پہلی مرتبہ اس آفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

تاہم دنیا نے ایک عشرہ میں اس آنے والے طوفان کے لیے ذرائع تلاش کیے۔ اندازے اور قیاس تو عروج پر تھے مگر عالمی صحت کی تنظیم 1990ء اور 1991ء میں سردمہری اور سستی کا مظاہرہ کر کے 2000ء تک لاکھوں لوگوں کو اس بلا کے منہ میں جانے دیا۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر موثر قوت سے عمل کا فیصلہ نہ ہو پایا۔

ولیم ایچ فوج جو 1983ء تک سی ڈی سی کے ڈائریکٹر رہے نے کہا ''پہلا ردعمل یہ ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ ہم وسائل خرچ نہیں کرسکتے۔'' 1990ء کے تخمینہ کے مطابق انہوں نے کہا کہ عالمی ایڈز کی روک تھام کے لیے 3 ارب ڈالر سالانہ زائد فنڈ کی ضرورت ہے۔ ''مگر ہم امریکہ میں روز ہیلتھ کیئر پر کتنی رقم خرچ کرتے ہیں۔ اس حیرت انگیز انکشاف سے ہماری غلطی واضح ہوتی ہے اور تاریخ ہمارے عمل کو کس طرح جانچے گی (یہ بھی ایک سوال ہے)۔''[۹۶]

ایڈز اور جنسی مسائل سے نمٹنے کے لیے لائحہ عمل

بیجنگ پلیٹ فارم برائے ایکشن حکومتوں اور این جی اوز سے باہمی تعاون کے ذریعے ایڈز، جنسی بیماریوں اور تولیدی و جنسی صحت کے موضوعات کے لیے صنفی مساوات کے تحت حسب ذیل ایجنڈا اپنانے کی سفارش کرتا ہے:۔

1۔ ایڈز اور جنسی بیماریوں کے لیے بننے والے تمام پروگراموں اور پالیسیوں میں عورتوں خصوصاً ایڈز کی شکار عورتوں کی شرکت کو یقینی بنائیں۔[۹۷]

2۔ جنسی عمل کے نتیجے میں عورت تک ایڈز زدہ اور دیگر بیماریوں کی منتقلی روکنے کے لیے قوانین کا جائزہ لیں اور ان میں ترامیم کریں اور عورت اور نو بالغ لڑکی سے ایڈز کے سلسلہ میں روا رکھے جانے والے امتیازات کے خلاف پالیسی سازی کریں۔

3۔ ایڈز سے متاثرہ فرد کے حقوق کے تحفظ کے لیے معاشرہ کے تمام شعبہ جات بشمول سرکاری و بین الاقوامی تنظیمات کی حوصلہ افزائی کریں۔

4۔ اپنے اپنے ملکوں میں بڑھتی ہوئی ایڈز کی وبا کا ادراک کرتے ہوئے اس کے عورت پر اثرات کو سمجھیں اور اسے کسی قسم کی تحقیر و تمیز کا نشانہ نہ بنائیں۔

۹۶۔ برٹن کلمن: رپورٹ ایڈز کا بڑھتا ہوا مرض، ترجمہ محمد اسلام، ماہنامہ آئین، ستمبر ۲۰۰۰ء

۹۷۔ بیجنگ پلیٹ فارم فار ایکشن میں عورت اور صحت کے عنوان میں سفارشات

5۔ عورت ولڑکی کی محکومی کے خاتمہ اور اس کے معاشی استحکام کے لیےصنفی حساسیت پر مبنی ایسے پروگرامات شروع کریں جن میں مردوں کومحفوظ اور ذمہ دارانہ جنسی عمل کی ترغیب دلائی جائے۔

6۔ معاشرتی حکمت عملی کو اس طرح استوار کریں کہ ہر عمر کی ایڈز زدہ عورت اور اس کے خاندان کا تحفظ ہو سکے اور ساری معاشرتی اکائیوں کوصنفی حساسیت ومساوات کی بنیاد پر موثر پروگرامات کے لیے متحرک کریں۔

7۔ ایڈز اور دیگر جنسی بیماریوں پر قابو پانے کے لیےصنفی حساسیت پر مبنی پالیسیوں اور پروگرامات کو بہتر بنائیں اور ان ایڈز زدہ عورتوں کی مالی مدد کریں جو بوڑھے والدین اور ننھے بچوں کی کفیل ہیں۔

8۔ ایڈز اور دیگر جنسی بیماریوں کی روک تھام اور ان کے ہر عمر کے مرد وعورت پر منفی اثرات کے خاتمہ کے لیے والدین فیصلہ سازوں اور سرکردہ معاشرتی وسیاسی راہنماؤں بشمول مذہبی حکام کوخصوصی تعلیم وتربیت فراہم کریں۔

9۔ تمام عورتوں اور ہیلتھ ورکرز کوجنسی بیماریوں وحمل اور مانع حمل اور دودھ پلانے کےمتعلق معلومات فراہم کریں۔

10۔ عورتوں اور ان کی سرکاری وغیر سرکاری تنظیموں کے موثر تعلیمی پروگرامات ان کی منصوبہ بندی وتنفیذ اور مانیٹرنگ کے لیے معاونت کریں۔

11۔ مساوات اور احترام پر مبنی رشتوں کو پروان چڑھائیں تاکہ نو بالغ لڑکیاں مثبت اور ذمہ داران انداز سے اپنے جنسی معاملات نمٹا سکیں۔

12۔ ہر عمر کے مردوں خصوصاً نو بالغوں کو محفوظ اور ذمہ دارانہ جنسی اختلاط اور مثبت تولیدی رویہ کے متعلق معلومات پہنچانے کے لیے خصوصی پروگرامات تیار کریں۔

13۔ بنیادی نظام صحت کے ذریعے جوڑوں اور افراد کی جنسی بیماریوں سے نجات کے لیے عالمی رسائی ممکن بنائیں اور راز دارانہ مشاورت اور اعلیٰ معیار کے کنڈوم اور دیگر ادویات کی فراہمی جاری وساری ہے۔

14۔ ایسے پروگرامات تیار کریں جو ایڈز زدہ عورت کی زندگی کو لاحق خطرات کا ادراک کریں اور مناسب انسدادی اقدامات کریں۔

15۔ عورتوں کی زیر قیادت جنسی بیماریوں کی روک تھام کے لیے قابل برداشت تحقیقات جن پر عمل درآمد بھی کیا جائے، کی معاونت کی جائے۔ اس امر کا خیال رکھا جائے کہ کہیں یہ محقق عورتیں ہی ایڈز یا دیگر جنسی بیماریوں کا شکار نہ ہوجائیں۔

16۔ عورتوں کی ضروریات اور حالات کے مطابق اور مردوزن کو لاحق خطرات اور اسباب کے لیے ضروری تحقیق شروع کی جائے۔[۹۸]

اسلام آباد سال 2000 میں ملک میں (جنوری تا ستمبر) 65 ایچ آئی وی مثبت اور 111 ایڈز کیسز کا پتہ چلا ہے۔ ان کی اکثریت میں جنسی اختلاط کی وجہ سے یہ مرض منتقل ہوا۔ ماہرین کے مطابق پاکستان میں ایڈز وبائی سٹیج پہنچ رہا ہے۔ جب کہ بھارت میں وسیع پیمانے پر ایڈز کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ جے کے منیار نے عوامی صحت کے جریدہ میں مارچ

۹۸۔ ایڈز اور جنسی مسائل سے نمٹنے کا لائحہ عمل، ماہنامہ آئین، دسمبر ۲۰۰۰ء

2000ء کو لکھا کہ بھارت کے ڈیڑھ فیصد یا ایک کروڑ 15 لاکھ افراد 1997ء میں ایڈز زدہ تھے۔ عورتوں میں یہ شرح 4 فیصد نوٹ کی گئی ہے۔ پاکستان میں 95-1985ء میں ہونے والی تحقیقات میں عام آبادی میں ایڈ کو بڑھتا ہوا مرض قرار دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر برجیس مظہر نے مارچ 2000ء کے عوامی صحت کے جریدہ میں 1.08 فیصد آبادی کو ایڈز میں مبتلا قرار دیا۔ پاکستان میں 5 فیصد سے زائد لوگ جو ''خطرناک رویے'' اپناتے ہیں ایڈز کا شکار ہوجاتے ہیں۔ کیسز کے لحاظ سے نمبر حکومتی اعلانات خاصا بلند ہے۔ عالمی تنظیم صحت کے مطابق پاکستان میں 80 ہزار ایڈز زدہ مریض موجود ہیں۔ 1986ء تا 2000ء تک ہونے والے 2.4683 ملین ٹیسٹوں میں اکثریت مردوں کی تھی جو اس مرض کا شکار نکلے۔ 1501 ایچ آئی وی مثبت کا خون ٹیسٹ کے ذریعے پتہ چلا جن کی 42 فیصد تعداد نے قومی ایڈز پروگرام کے مطابق، جنسی عمل کے نتیجے میں یہ مرض حاصل کیا تھا۔ زیادہ تر مریضوں کی عمر 20 سے 49 سال کے درمیان تھی۔ ایڈز کے کل 198 کیسوں میں سے 134 جنسی اختلاط کے نتیجے میں اس کا شکار ہوئے 18.1 فیصد تعداد زہریلے خون کے استعمال سے اس کی شکار ہوئی۔

ڈاکٹر برجیس کے مطابق 15 لاکھ بلڈ یونٹس سالانہ پاکستان میں منتقل ہوتے ہیں جن میں 60 فیصد نجی اور 40 فیصد سرکاری شعبے کے تحت ہوتے ہیں۔ خون کا عطیہ دینے والوں کی 85 فیصد تعداد رشتے داروں اور 10 فیصد عطیہ کنندگان کی ہوتی ہے۔ میڈیا کے ذریعے خون دینے والوں کی تعداد 20 فیصد سے گر کر 5 فیصد رہ گئی ہے لیکن اکثر کیسوں میں نجی لیبارٹریز میں خون میں ایچ آئی وی یا یرقان کی سکریننگ نہیں ہوتی۔ جدید رپورٹ کے مطابق صوبوں کے لحاظ سے ایچ آئی وی اور ایڈز کی صورت حال یہ ہے۔

	ایچ آئی وی کیس	ایڈز کیس
سندھ	420	75
پنجاب	365	36
سرحد	299	45
بلوچستان	138	12
آزاد کشمیر	16	2

وفاقی مراکز پر کراچی، لاہور، راولپنڈی میں 272 ایچ آئی وی کیسز اور 28 ایڈز کیسز ہیں۔ عالمی تنظیم صحت کے مطابق 1999ء میں 5.4 ملین لوگ اس کا شکار ہوئے۔ ایڈز کی صورت حال بھارت میں پاکستان سے کہیں زیادہ گھمبیر ہے۔ یو این رپورٹ کے مطابق بھارت میں 1000 میں سے 7 افراد ایچ آئی وی کا شکار ہیں اور سوائے جنوبی افریقہ دنیا میں یہ شرح سب سے بلند ہے۔[۹۹]

خاندان کے لیے عورت دل اور مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی صحت سے ہی نسل انسانی کی بقاء کا راز پوشیدہ ہے۔

۹۹۔ ایڈز اور جنسی مسائل سے نمٹنے کا لائحہ عمل، ماہنامہ آئین، دسمبر ۲۰۰۰ء

عورت کے حقوق کا آج کی دنیا میں تذکرہ زیادہ ہے اور عمل کم ہے۔ جن معاشروں میں تحریک نسواں نے عورت کو زیادہ متاثر کیا ہے وہاں عورت کو بعض سنگین حالات کا زیادہ سامنا ہے، اس کا اندازہ امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن کی ایک تازہ رپورٹ سے ہوتا ہے۔

اس رپورٹ میں عورتوں اور بالخصوص لڑکیوں سے کہا گیا ہے کہ وہ موسم بہار کی تعطیلات میں زیادہ احتیاط اور ہوش مندی سے کام لیں ایک ویڈیو بھی اس سلسلے میں تیار کی گئی ہے جس کا Girls Gone Wild رکھا گیا ہے۔ یہ ایک سروے رپورٹ ہے جس میں کالج جانے والی لڑکیوں اور عورتوں نے بڑی بھاری تعداد میں کہا کہ یہ تعطیلات کثرت شراب نوشی کا سبب بنتی ہیں۔ مزید برآں 74 فیصد نے کہا ہے کہ ان تعطیلات کا بڑا حصہ جنسی آوارگی کی نذر ہو جاتا ہے۔

ان عورتوں کے جوابات ان کے اپنے تجربات پر مبنی تھے۔ دوسرے نمبر پر ان کی سہیلیوں یا رشتہ دار خواتین کے ساتھ پیش آنے والے واقعات تھے۔

امریک میڈیکل ایسوسی ایشن کوشش کر رہی ہے کہ لڑکیوں اور عورتوں کو شراب نوشی سے روکا جائے۔ یہ ممکن نہیں تو اس میں خاصی کمی لائی جائے۔ ڈاکٹر جے ایڈورڈ ڈبل کا کہنا ہے کہ شراب پینے والوں کے جسم میں ہونے والے کیمیائی تعاملات کے اثرات محدود نہیں کیے جاسکتے۔ اے ایم اے نے جس سروے کا اہتمام کیا، اس میں کالج جانے والی 644 خواتین سے سوالات کیے گئے۔ ان کی عمر 17 سے 35 برس تھی۔ ان میں طالبات بھی تھیں اور اساتذہ بھی، ان طالبات کا عام خیال تھا کہ اے ایم اے کو ناکامی ہوگی کیونکہ شراب نوشی کو اب روکا یا کم نہیں کیا جاسکتا۔ بعض کا کہنا تھا کہ اکثر طالبات ایسی بات سننا بھی پسند نہیں کریں گی۔ 30 فیصد کا کہنا تھا کہ موسم بہار کی چھٹیوں کے ساتھ سن باتھ نہ ہو اور شراب نہ ہو، ایسا ممکن ہی نہیں۔ 74 فیصد کا تجربہ تھا کہ ایسی صورت میں اخلاقی کردار میں انتہائی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ ایسی تبدیلیاں سرعام عریانی یا میز پر چڑھ کر ڈانس کرنے تک بہت سے غیر اخلاقی رویوں کو پیدا کرتی ہیں۔ 27 فیصد کا کہنا تھا کہ انہوں نے کثرت سے شراب نوشی کی اور بیمار ہوگئیں۔ 40 فیصد کا کہنا تھا کہ انہیں افسوس ہے کہ انہیں یاد نہیں کہ انہوں نے کیا کیا۔ 13 فیصد نے کہا کہ انہوں نے ایک سے زیادہ مردوں کے ساتھ تعلقات قائم کیے۔ 10 فیصد نے کہا کہ انہوں نے عوامی مقامات پر جنسی تعلق کا اخلاق سوز مظاہرہ کیا یا پھر گروپ سیکس میں حصہ لیا۔ تقریباً 13 فیصد نے کہا کہ انہوں نے ان تعطیلات میں شراب نوشی کی حالانکہ وہ شراب نوشی کی قانونی حد کے اعتبار سے نابالغ تھیں۔[۱۰۰]

وزارت بہبود آبادی کی سرگرمیاں

ڈائریکٹر جنرل بہبود آبادی محترمہ زرینہ حسن خان نے بتایا کہ پاکستان کی اس وقت آبادی چودہ کروڑ 86 لاکھ ہے اور آبادی بڑھنے کی شرح 2.06 فیصد ہے۔ 15 سے 69 سال کی عمر کے افراد کی تعداد 13 فیصد ہے، ہر منٹ میں چھ اور ہر دن میں 8614 بچے پیدا ہو رہے ہیں۔ 33 فیصد آبادی بہبود آبادی اور خاندانی منصوبہ بندی مصنوعات وغیرہ استعمال کرتی ہے۔

۱۰۰۔ مرزا محمد الیاس، کلچر سے زندگی متاثر ہوتی ہے، آئین مئی ۲۰۰۶ء

انہوں نے کہا کہ 2010ء تک ملک کے ہر بالغ شادی شدہ شہری تک یونیورسل رسائی کے پروگرام کے تحت خاندانی منصوبہ بندی کے طریقوں سے آگاہی کے حوالے سے معلومات فراہم کردی جائیں گی۔[۱۰۲]

بہبود آبادی پروگرام میں مردوں کا کردار

جون 2003ء کے اعداد وشمار کے مطابق پاکستان کی آبادی 14 کروڑ 90لاکھ تھی۔ اس وقت ملک میں سالانہ شرح اضافہ آبادی 2.08فیصد ہے۔ جو ماہرین آبادی کے مطابق کوئی حوصلہ افزا شرح نہیں کہی جاسکتی۔ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے ملکی معیشت پر منفی اثرات کے باعث ہر سال ملک میں ہونے والی ترقی بے اثر ہوکر رہ جاتی ہے۔غربت کم کرنے کی تمام تر حکومتی کوششوں کے باوجود کوئی خاطر خواہ نتائج صرف اس لیے سامنے نہیں آئے کہ ملکی آبادی میں ہر سال 30لاکھ سے زائد افراد مزید شامل ہوجاتے ہیں۔ پاکستان دنیا کے ان چند ممالک میں شامل ہے جہاں تیز رفتار اضافہ آبادی کو مناسب سطح پر رکھنے کے لیے بہت عرصہ قبل اور بر وقت کام شروع کیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود ہمارے اردگرد کے ممالک نے آبادی کو متوازن رکھنے کے ضمن میں ہم سے کہیں بہتر نتائج دکھائے اور اپنے ملکی حالات اور معیشت کو سنبھال لیا۔ پاکستان میں حکومتی سطح پر بہبود آبادی پروگرام 1960ء کی دہائی سے چل رہا ہے۔ آخر وہ کونسی وجوہات ہیں کہ ہم وہ نتائج حاصل نہیں کر پارہے جو کچھ دوسرے ممالک بشمول دیگر اسلامی ممالک نے حاصل کیے۔

ماہرین آبادی اور وزارت بہبود آبادی مختلف جائزوں کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ پاکستان میں بہبود آبادی پروگرام میں خواتین کے ساتھ ساتھ مردوں پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ انہیں اس پروگرام کی افادیت سے روشناس کرانا، اپنا ہمنوا اور ایڈووکیٹ بنانا اس لیے ضروری ہے کہ ملک میں مردوں کو خاندانی سربراہ تسلیم کیا جاتا ہے اور کوئی بھی کام ان کی مرضی یا اطلاع کے بغیر نہیں انجام پاتا خواہ وہ کام مکمل طور پر عورتوں سے متعلق ہی کیوں نہ ہوں۔ حتیٰ کہ وہ (اکثریت) اپنی بیماری میں بھی مردوں سے مشورہ کیے بغیر ہسپتال نہیں جاتیں۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اولاد میں وقفے پر عمل پیرا ہونے کے لیے کوئی دوائی، انجکشن یا اپریشن مردوں کی اجازت یا مشورے کے بغیر انجام دے پائیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بہبود آبادی پروگرام میں مردوں کو اس طرح شامل کیا جائے کہ وہ اس پروگرام کی افادیت زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ سکیں اور وہ باور کرسکیں کہ عورت اور مرد نہ صرف برابر ہیں بلکہ بعض معاملات میں عورتیں مردوں کی نسبت گھر کی بہتر منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ مردوں کو اس بات کا مکمل احساس اور ادراک دلانا کہ اگر عورتوں کو بار بار اور کم وقفے سے زچگی کے مسائل جھیلنے پڑیں تو نہ صرف ان کی صحت تباہ ہوکر رہ جاتی ہے بلکہ بچے اور پورا خاندان بھی بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ ملک کے کلچر اور رواج میں یہ چیز شامل ہے کہ اگر مرد کسی معاملے میں اپنی خواہش یا خوشنودی کا اظہار کرتے ہیں تو گھروں میں اس کام کو ترجیحاً انجام دیا جاتا ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ فیلڈ افسران اور عملہ بطور خاص مردوں کو پاپولیشن ایجوکیشن مہیا کریں تاکہ نہ صرف وہ اپنے اپنے گھروں میں اس پروگرام پر خود عمل پیرا ہوں اور حمایت کرسکیں بلکہ دیگر جگہوں پر بھی وہ اس پروگرام کے ایڈووکیٹ کا

۱۰۲۔ وزارت بہبود آبادی کا سہ ماہی رسالہ ''آبادی نامہ'' جلد اول، شمارہ سوئم، اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۳ء

کردارادا کریں۔ اس لیے ضروری ہے کہ بہبود آبادی پروگرام سے منسلک افسران و ورکرز حال ہی میں جاری ہونے والی آبادی کی پالیسی کومشعل راہ بناتے ہوئے اس پروگرام میں ہر سطح پر مردوں کی شمولیت کو یقینی بنائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان، جس کے تجربے اور منصوبوں سے دنیا کے دیگر ممالک مستفید ہو کر کہیں سے کہیں پہنچ گئے ہیں، تو وہ خود بہتر حکمت عملی اور پالیسی کے بل پر مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکے۔[۱۰۳]

آبادی سے متعلق عالمی اعداد وشمار 2003ء

پاپولیشن ریفرنس بیورو بہبود آبادی، خاندانی منصوبہ بندی اور صحت پر تحقیقی کام کے حوالے سے دنیا بھر میں خاص شہرت رکھتا ہے یہ ادارہ اپنے دیگر تحقیقی کاموں کے علاوہ آبادی، صحت، خاندانی منصوبہ بندی، تولیدی صحت پر ایک نہایت جامع ڈیٹا شیٹ بھی شائع کرتا ہے۔ جولائی 2003ء میں شائع ہونے والی ڈیٹا شیٹ میں دنیا کے زیادہ آبادی والے ممالک کی موجودہ اور 2050ء کی صورت حال کو واضح کیا گیا ہے۔ یہ ڈیٹا شیٹ براہ راست پاپولیشن ریفرنس بیورو یا برائے مطالعہ وزارت بہبود آبادی کے انفارمیشن سینٹر واقع سوک سنٹر اسلام آباد میں دستیاب ہے۔[۱۰۴]

خاندانی منصوبہ بندی عالمی سطح پر (Family Planning World Wide)

کارل باب اور ربرٹ ہرسٹیڈ کی لکھی ہوئی یہ تاب پاپولیشن ریفرنس بیورو کی طرف سے شائع کی گئی ہے جس میں خاندانی منصوبہ بندی سے متعلق دنیا بھر کے اعداد وشمار اکٹھے کیے گئے ہیں یہ اعداد وشمار مانع حمل ادویات و ذرائع سے متعلق ہیں۔ اس کتاب میں شادی شدہ اور بغیر شادی کے خاندانی زندگی گزارنے والی خواتین سے متعلق بھی مکمل اعداد وشمار موجود ہیں۔ کتاب میں مانع حمل ادویات کے استعمال جدید قدیم طریقوں سے متعلق بھی اعداد وشمار کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ ڈیموگرافی اور خاندانی منصوبہ بندی پر کام کرنے والے محققین اور طالب علموں کے لیے یہ کتاب کافی مفید ثابت ہوسکتی ہے۔ کتاب 4.5 یوایس ڈالر میں پاپولیشن ریفرنس بیورو سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

پاکستان کی آبادی سے متعلق جائزہ رپورٹ 2003ء

یہ کتاب جولائی 2003ء میں وزارت بہبود آبادی اور اقوام متحدہ فنڈ برائے آبادی کی مشترکہ کاوش کے نتیجے میں منظر عام پر آئی جس میں پاکستان کی آبادی اور اس سے متعلق ہونے والے کام اس کی رفتار اور اس کی وجہ سے رونما ہونے والی حقیقتوں کو آشکار کیا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں شرح اموات میں کمی واقع ہوئی ہے اور یہ 8 فی ہزار تک پہنچ گئی ہے جبکہ یہ اگلے دس سالوں میں مزید گر کر 5 فی ہزار تک پہنچ جائے گی۔ رپورٹ میں نوزائیدہ بچوں کی شرح اموات میں کمی کو بھی ظاہر کیا گیا ہے جسے ماہرین نے خوش آئند قرار دیا ہے۔ رپورٹ میں تولیدی صحت کے معاملے میں کوریج کی کمی کو زیر بحث لایا گیا ہے جس کی وجہ سے دیہی علاقوں میں غرباء ان سہولیات سے مستفید نہیں ہوسکتے۔ مفصل مطالعہ کے لیے رپورٹ اقوام متحدہ فنڈ برائے آبادی واقع پاک سعودی ٹاور اسلام آباد اور وزارت بہبود آبادی اسلام آباد میں برائے مطالعہ موجود ہے۔

۱۰۳۔ وزارت بہبود آبادی کا سہ ماہی رسالہ ''آبادی نامہ'' جلد اول، شمارہ سوئم، اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۳ء ۱۰۴۔ ایضاً

بہبودآبادی کی وزارت کے خبرنامے میں ایک مریضہ سوال کرتی ہے اور اس کا جواب اسے دیا جاتا ہے۔ اسے ملاحظہ کریں اور پھر تحقیقی اداروں سے موازنہ کریں کہ ہماری قوم سے کتنا بڑا جھوٹ بولا جارہا ہے۔

ڈاکٹر صاحبہ میری عمر 26 سال ہے میرا خاندان بھی مکمل ہو چکا ہے۔ میں فیملی پلاننگ کے انجکشن مسلسل لگوا رہی ہوں مجھے دو تین مہینے تو ماہواری آتی رہی اب اس میں بندش ہوگئی ہے۔ اس کا کوئی نقصان تو نہیں ہے اور کیا میں اپریشن بھی کرواسکتی ہوں؟ ن: گوجرخان

فیملی پلاننگ کا ٹیکہ لمبے عرصے کے لیے حفاظت سے استعمال ہوسکتا ہے 90% خواتین کو اس ٹیکے کی وجہ سے ماہواری بے ربط ہوجاتی ہے۔ یہ کوئی خطرناک Side effect نہیں ہے اور آپ بے فکری سے یہ ٹیکہ لگواتی رہیے۔ البتہ خیال رکھیے کہ ٹیکوں کے درمیان کا وقفہ دو ماہ سے ایک دن بھی زیادہ نہ بڑھے۔ ٹیکوں کی افادیت فیملی پلاننگ کے لیے 99% سے زیادہ ہے اور ان کے کوئی مضر اثرات نہیں ہیں۔ 26 سال عمر میں نس بندی کا آپریشن کیا جاسکتا ہے۔ عمر کی کوئی حد نہیں ہے۔ تاہم یہ ایسا آپریشن ہے جو Irreversible ہے۔ اس سوچ سے نہ کرائیے کہ اگر دس سال میں مزید بچوں کی خواہش ہوئی تو بچے پیدا ہوسکیں گے۔ اس آپریشن سے خاتون کی صحت، وزن یا ماہوار پر قطعی کوئی اثر نہیں ہوتا ہے۔ ۱۰۵؎

گرین سٹار کے زیر اہتمام نئے مانع حمل انجکشن کی لانچنگ

گرین سٹار سوشل مارکیٹنگ کے زیر اہتمام ماہ اگست میں ایک نئے مانع حمل انجکشن کو اسلام آباد میں متعارف کروایا گیا۔ جو ایک ماہ کے وقفے کے لیے کارگر ہوگا اس سلسلے میں اسلام آباد میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا تقریب کی مہمان خصوصی انسٹیٹیوٹ یوایس اے کی پروفیسر محترمہ اپنی شوتھیں تقریب میں وزارت بہبود آبادی کے افسران کے علاوہ پاکستان انسٹیٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز کی پروفیسر ڈاکٹر غزالہ نے بھی شرکت کی۔ نیا مانع حمل ٹیکہ بالکل گولیوں کی طرح ہی کام کرے گا اور اس میں گولیوں کی طرح ہی دونوں ہارمون ایسٹروجن (Estrogen) اور پروجیسٹرون (Progesteron) شامل ہوتے ہیں۔ یہ ٹیکہ ہر 28 دنوں کے بعد لگوانا پڑتا ہے جو عنقریب گرین سٹار کے کلینکس پر دستیاب ہوگا۔ ۱۰۶؎

اقوام متحدہ کا ادارہ بہبود آبادی کے پروگرام کے لیے ساڑھے تین کروڑ ڈالر دے گا

اقوام متحدہ کے فنڈ برائے آبادی (یو این ایف پی اے) نے پاکستان میں بہبود آبادی سے متعلق اپنے پروگرام کو حتمی شکل دے دی ہے۔ جس کے تحت آئندہ پانچ سالوں کے دوران پاکستان کو ساڑھے تین کروڑ ڈالر فراہم کیے جائیں گے۔ یہ بات پاکستان میں فنڈ کے نمائندہ ڈاکٹر اولیور براسر نے گزشتہ دنوں ایک پریس کانفرنس میں بتائی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان سے متعلق پروگرام میں ماؤں کی بڑھتی ہوئی شرح اموات اور شرح بارآوری پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ پاکستان میں ہر روز 30 سے 35 مائیں زچگی کے دوران انتقال کرجاتی ہیں۔ آبادی میں اضافہ اور بارآوری کی شرح میں کمی واقع ہو رہی ہے لیکن حالات بدستور پریشان کن ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں آئندہ دس برس تک 18 سال سے کم عمر افراد کی تعداد 8 کروڑ تک پہنچ جائے گی۔ ان نوجوانوں کی تعلیم اور صحت کے بنیادی حقوق بڑا چیلنج ہیں۔ جن پر خصوصی توجہ دینے کی

۱۰۵۔ وزارت بہبود آبادی کا سہ ماہی رسالہ ''آبادی نامہ'' جلد اول، شمارہ سوئم، اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۳ء

۱۰۶۔ گرین سٹار سوشل مارکیٹ، وزارت بہبود آبادی حکومت پاکستان، اکتوبر، دسمبر ۲۰۰۳ء

ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان مسائل سے نمٹنے کے لیے اقتصادی و سماجی سطح پر سب کو مل کر کوششیں کرنی ہوں گی۔ انہوں نے کہا کہ قومی آبادی پالیسی صحیح سمت میں جاری اور توقع ظاہر کی کہ آنے والے برسوں میں سماجی مسائل پر قابو پانے میں کافی مدد ملے گی۔۱۰۷ یہ خبر پڑھیے اور پھر ایلزبتھ لیاگن کی کتاب کے تجزیے پڑھیے۔ وہ سارے راز آشکار ہو جائیں تو ہماری حکومت اور استعماری طاقتیں ہمارے ساتھ کیا کھیل کھیل رہی ہیں۔

پاکستان آبادی کے لحاظ سے دنیا کا چھٹا جبکہ بھارت دوسرا بڑا ملک ہے

2050ء میں پاکستان چوتھے جبکہ بھارت پہلے نمبر پر آجائے گا۔

واشنگٹن ڈی سی: پاکستان 14 کروڑ 90لاکھ آبادی کے ساتھ اس وقت دنیا کا چھٹا بڑا ملک ہے جبکہ بھارت ایک ارب چھ کروڑ 90لاکھ آبادی کے ساتھ دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے۔ یہ بات پاپولیشن ریفرنس بیورو واشنگٹن ڈی سی کی رپورٹ 2003ء میں بتائی گئی ہے۔ رپورٹ میں دنیا کے بیس بڑے ممالک کی آبادی 2003ء اور 2050ء کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق اس وقت چین ایک ارب 28 کروڑ 90لاکھ آبادی کے ساتھ دنیا کا پہلا، بھارت دوسرا، امریکہ 29 کروڑ 20 لاکھ تیسرا، انڈونیشیا 22 کروڑ کے ساتھ چوتھا برازیل 17 کروڑ 60لاکھ پانچواں، پاکستان چھٹا، بنگلہ دیش 14 کروڑ 70 لاکھ ساتواں، روس آٹھواں 14 کروڑ 60لاکھ، نائیجیریا 13 کروڑ 40لاکھ، جاپان دسواں 12 کروڑ 80لاکھ، اسی طرح انہی ممالک کی 2050ء میں ہونے والی آبادی سے متعلق بھی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ جس کے مطابق 2050ء بھارت ایک ارب 62 کروڑ 28لاکھ پہلا، چین 1ارب 39 کروڑ 40لاکھ دوسرا، امریکہ 42 کروڑ 20لاکھ تیسرا، پاکستان 34 کروڑ 90لاکھ کے ساتھ دنیا کا چوتھا بڑا ملک ہوگا۔ جبکہ انڈونیشیا، نائیجیریا، بنگلہ دیش، برازیل، کانگو، اتھوپیا بالترتیب پانچویں، چھٹے، ساتویں، آٹھویں، نویں اور دسویں نمبر پر آجائیں گے۔۱۰۸

یہی تو ان کو فکر ہے کہ اگر اسلامی ممالک اور خاص طور پر ایٹمی قوت پاکستان انسانی وسائل سے بھی مالا مال ہو گیا تو یہ عالمی امن اور استعمار کے لیے خطرہ ثابت ہوگا۔ اس لیے وہ ہر امداد بند کر دیتے ہیں مگر بہبود آبادی کے پروگرام کی آڑ میں ہماری نسل کشی جاری رکھنے کے لیے ہر قسم کی امداد دینے کو تیار ہیں۔

سماجی بہبود کے ادارے

اب تک ہم نے بہبود آبادی اور صحت کے نام پر افراد، معاشروں اور ممالک کو زیر کرنے کی عالمی کوششوں کا ایک عمومی جائزہ لیا ہے۔ ذیل میں اداروں کا ایک تعارف پیش کیا جاتا ہے جو اس مقصد کے لیے خاص طور پر سرگرم عمل ہیں۔

۱- جان ہاپکنز یونیورسٹی پاپولیشن انفارمیشن پروگرام (PIP):

یہ مانع حمل ٹیکنالوجی کے لیے اور آبادی سے متعلق تجزیوں کا 23 ملین ڈالر کا ایک بڑا پروگرام ہے۔ دسمبر 1992ء میں PIP کی سرگرمیوں کو اصل 'کنٹریکٹر' (Contractor) کے تحت ہی ایک زیادہ بڑی کوشش کا حصہ بنا دیا گیا، یعنی 'پاپولیشن

۱۰۷۔ اقوام متحدہ کا فنڈ برائے آبادی UNFPA وزارت بہبود آبادی پاکستان، ۲۰۰۳ء

۱۰۸۔ پاپولیشن ریفرنس بیورو، وزارت بہبود آبادی حکومت پاکستان، ۲۰۰۳ء

کمیونیکیشن سروسز پروگرام' جو اپنے اصل میں ایک بڑے پیمانے کا پروپیگنڈا آپریشن ہے۔۱۰۹

۲- امپیکٹ پراجیکٹ:

یہ موثر ضبط ولادت کی سکیمیں اختیار کرنے کے لیے حکومت کا ایک مشاورتی ادارہ ہے۔'امپیکٹ' کو واشنگٹن کے 'یوایس ایڈ' آفس برائے آبادی 1985ء اور 1990ء کے درمیان تقریباً 6 ملین ڈالر ملے کہ وہ مطبوعات تیار کرکے تقسیم کرے اور ترقی پذیر ممالک میں آبادی سے متعلق بیوروکریسی کو تکنیکی امداد مہیا کرے۔۱۱۰

۳- ریپڈ (RAPID) پالیسی پروگرام:

اس پروگرام کو 1991 اور 1992ء کے درمیان یہ 'گروپ' سیمینار منعقد کرتا اور پالیسی سازوں کے سامنے تعارفی پروگرام پیش کرتا ہے کہ انہیں تحدید آبادی کے منصوبے وضع کرنے اور ان پر عمل درآمد میں 'مدد' دے۔۱۱۱

۴- پاپولیشن ریفرنس بیوروکوآپریٹو اگریمنٹ:

یوایس ایڈ نے اپنی ایک ڈائریکٹری میں اس معاہدے کی آگاہی دی ہے اور گروپ کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ ''ترقی پذیر ملک کے حکام جب واشنگٹن ڈی سی آئیں تو ان کے لیے تعارفی اور دوسرے اجلاسوں کا اہتمام کرے۔ نیز اخباری نمائندوں کے لیے ''برقی ذرائع سے معلومات پریس ریلیز، خبروں کی فراہمی اور سیمیناروں'' کا انتظام کرے۔ اس منصوبے پر اس وقت دنیا بھر میں کام ہو رہا ہے۔۱۱۲

۵-کولمبیا یونیورسٹی پراجیکٹ:

امداد وصول کرنے والے ممالک میں پالیسی اور قانون کی تبدیلی کا ایک اور پروگرام 'کولمبیا یونیورسٹی پراجیکٹ' تھا۔ 1980ء کی دہائی میں فعال اس پراجیکٹ کا ہدف قانون سازی تھا۔ اسے 'یوایس ایڈ' کے ساتھ طے شدہ اپنی جن سرگرمیوں پر خرچ کردہ رقم ملتی تھی ان میں پالیسی سازوں اور قانون دانوں کے لیے ماڈل قانون سازی کی تیاری اور مطالعاتی دورے تھے، ان مقامی تنظیمات کی امداد تھی جو تحدید آبادی کے حق میں تھیں، اور پارلیمانی گروپوں کو شریک رکھنے والی دوسری سرگرمیاں تھیں۔۱۱۳

۶- پاپولیشن کونسل:

یہ کونسل مانع حمل ذرائع پر تجرباتی کام کی ذمہ دار ہے اور 3 الگ الگ معاہدوں کے ذریعے دنیا بھر میں خاندانی منصوبہ بندی کی سرگرمیوں کو کیسے جانچا جائے اور خاندانی منصوبہ بندی مہمات کی راہ میں رکاوٹیں کیسے دور کی جائیں۔۱۱۴

---

۱۰۹ AID Project .No.936-3032

۱۱۰ AID Project .No.936-3035. 02

۱۱۱ See AID Contracts Nos. DPE-3046-C-1047-00,DPE,3-46-Q-00-1048-00

۱۱۲ U.S.Agency for International Development, User's Guide to the Office of Population (Washington.D.C1993),35, See also Contract No.DPE-0502-A-00-7066-00

۱۱۳ AID Contract No DPE-0643-C-00-3063

۷- فیملی پلاننگ سروس کی توسیع اور ٹیکنیکل سپورٹ پروگرام:

اس پروگرام کی توجہ کا مرکز نجی شعبہ ہے۔ اس کا اولین مقصد پالیسی میں ایسی تبدیلیاں لانا ہے جو نجی شعبہ کے ضبط ولادت کی تقسیم آلات سے متعلق امور کو متاثر کرتی ہوں۔ 43 ملین ڈالر کے اس پنج سالہ پروگرام کا ہدف یہ تھا کہ ''بڑے پیمانے کے (خاندانی منصوبہ بندی) پروگراموں میں وسعت کی خاطر نئے طور طریقے وضع کرے'' اور زیر ہدف ممالک کے لیے آبادی پروگراموں کی 'تزویراتی منصوبہ بندی' میں شریک کار ہو۔ اس کا دائرہ عمل افریقہ پر خصوصی توجہ کے ساتھ ایشیا اور شرق اوسط تک پھیلا ہوا ہے۔[۱۱۵]

۸- مانع حمل (Contraceptive) سوشل مارکیٹنگ:

'آپشنز' اور 'ریپڈ' کی طرح 40 ملین ڈالر کی اس سکیم کا انتظام بھی 'فیوچرز گروپ' کی راہنمائی میں ہے۔ اس سرگرمی میں نجی شعبہ کی حوصلہ افزائی کو پالیسی تجزیہ اور پروپیگنڈا کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔[۱۱۶]

۹- ٹیکنیکل انفارمیشن آن پاپولیشن فار دی پرائیویٹ سیکٹر:

یہ 'نجی شعبہ' میں سرگرم اقدام تھا جس پر اگست 1985ء سے اگست 1990ء تک عمل ہوتا رہا۔ یہ تجارتی حلقہ میں ضبط ولادت کا سلسلہ بڑھاتا رہا۔ اس نے بڑے آجروں (Employers) کے ساتھ مل کر کام کی جگہوں پر ضبط ولادت مطب قائم کرنے میں مدد دی۔ کام کی جگہ ضبط ولادت کے مطب کے اس تصور نے بڑے پیمانے پر اختلاف رائے کو جنم دیا ہے لیکن دوسرے معاہدات کے تحت اس پر خاموشی سے عمل جاری رہا۔[۱۱۷]

۱۰- پرافٹ (Profit) اقدام:

نجی شعبہ کے اندر یہ ایک انوکھا پراجیکٹ ہے جو جارج بش (سینئر) کی صدارت کے آخری دنوں میں شروع کیا گیا۔ اس کا مقصد کمپنیوں کی رقوم کا ایک پول (Pool) قائم کرنا تھا۔ اس کے لیے زیر ہدف ملکوں میں قائم امریکی کارپوریشنوں کو ٹیکس مراعات دی گئیں کہ وہ اپنے ''بلاک شدہ'' اثاثوں (وہ رقوم جو امریکہ منتقل نہیں کی جا سکیں) میں سے کچھ خاندانی منصوبہ بندی پروگرام کی طرف منتقل کر دیں۔ 36 ملین ڈالر کا یہ پراجیکٹ 1991ء کے خزاں میں زیر عمل آیا۔ اس میں (محنت کشوں کے) کام کی جگہوں پر ضبط ولادت سکیموں کی حوصلہ افزائی بھی تھی اور (مقامی) پالیسی پر ایسے طریقوں سے اثر انداز ہونا تھا کہ جس سے ٹیرف میں کمی آئے اور امریکی تحدید آبادی پروگرام کے لیے آسانیاں پیدا ہوں۔ یو ایس ایڈ معاہدہ (ڈیلائیٹ اور چچ کی اکاؤنٹ فرم کو ملا) کے مطابق ایک دم بخود کر دینے والی 200 بلین ڈالر کی رقم کارپوریٹ اکاؤنٹ میں پھنسی پڑی ہے۔ نظری طور پر پرافٹ پراجیکٹ سرگرمی کا ہدف یہی (سرمایہ) ہے۔[۱۱۸]

---

[۱۱۴] See AID Contract No.DPE-3030-Z-00-9019-00(Latin America-Caribbean), DPE-3030-C-00-0022-00(Asia-Near East), DPE-3030-Z-00-8065-00(Africa)

[۱۱۵] AID Contract.No.DPE-3048-Z9011-00

[۱۱۶] AID Contracts.Nos.CCP-3051-C-00-2016-00,CCP-3051-Q-00-2017-00

[۱۱۷] AID Contracts.No.936-01-John Short and Associates, Inc

۱۱- پاتھ فائنڈر (Pathfinder) پروگرام:

'خدمات کی تقسیم' کا یہ پراجیکٹ اس لیے تشکیل دیا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی جمعیتیں (associations) قائم کرے، تربیتی پراجیکٹ اور نوجوانوں کے پروگرام چلائے، اور پروپیگنڈا مہموں کا ڈول ڈالے جن کا ہدف لیڈر بھی ہوں اور امکانی صارفین بھی۔ بحیثیت مجموعی اس کا پالیسی کام محدود ہے۔ اس کا 1992 سے 1997ء تک کے لیے بجٹ 136 ملین ڈالر تھا۔[۱۱۹]

۱۲- ایسوسی ایشن فار والنٹری سرجیکل کونٹراسپشن (Contraception):

'یو ایس ایڈ' کی طرف سے 80 ملین ڈالر کے تحت کام کرنے والی یہ ایسوسی ایشن (جو پہلے 'رضا کارانہ بانجھ پن' کی ایسوسی ایشن کہلاتی تھی) تربیتی اور مشاورتی کورسز کا انتظام کرتی ہے، آلات کی خرید میں مدد دیتی ہے، اور ایسے ہی بہت سے دوسرے کام اور ڈیلی پراجیکٹ کے ذمہ ہیں جن کا مقصد مردانہ اور زنانہ بانجھ پن کے طریقوں کو مقبول بنانا ہے۔[۱۲۰]

۱۳- 'مشی گن فیلوز' پراجیکٹ:

یہ پروگرام صرف آبادی پالیسی پلاننگ کے ایک محدود دائرے میں کام کرتا ہے۔ مشی گن یونیورسٹی کی ''اسکالرشپ برائے لیڈرشپ'' مہم ترقی پذیر ممالک کے گریجویٹ طلباء کی امریکہ میں تعلیم میں معاونت کرتی ہے۔ خصوصی توجہ ''اس پیشے اور فن پر ہوتی ہے جس کی میزبان یا بین الاقوامی ادارے ادارے کو ضرورت ہوتی ہے''۔ اس پراجیکٹ کو ستمبر 1990ء سے ستمبر 1995ء کے دوران 6 ملین ڈالر امداد ملی تھی۔[۱۲۱]

۱۴- ایسٹ ویسٹ پاپولیشن انسٹی ٹیوٹ:

یہ ادارہ سب سے پرانے آبادی پالیسی اداروں میں سے ایک ہے اور بیشتر ایشیا و بحر الکاہل کے علاقہ میں کام کرتا ہے۔ اس کی ذمہ داری لٹریچر تیار کرنا اور میزبان ملک کے پالیسی سازوں اور ملکی محققین کے لیے کانفرنسوں کا اہتمام کرنا ہے۔[۱۲۲]

۱۵- وزارت بہبود آبادی پاکستان:

وزارت بہبود آبادی پاکستان میں تیز رفتار اضافہ آبادی پر قابو پانے والا ملک کا سب سے بڑا ادارہ ہے۔ وزارت کی ویب سائٹ میں آبادی سے متعلق اعداد و شمار کے علاوہ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کو مناسب سطح پر رکھنے کے لیے ہونے والے اقدامات، حال ہی میں اعلان ہونے والی آبادی کی قومی پالیسی اور پاپولیشن سیکٹر کا تناظری منصوبہ 2012ء بھی شامل ہے علاوہ ازیں ملک بھر میں پھیلے ہوئے بہبود آبادی کے فلاحی مراکز و تولیدی صحت مراکز کے پتے اور ٹیلی فون نمبر بھی

---

۱۱۸ AID Contracts.Nos.DPE-3056-C-00-1040-00-DPE-3056-Q-00-1041-00

۱۱۹ AID Contract No.CCP-3062-A-00-2025-00

۱۲۰ AID Contract No.DPE-3049-A-00-8041-00 ۱۲۱ AID Project No.936-3054

۱۲۲ AID Contract No.DPE-3046-A-00-850-00

دیکھے جاسکتے ہیں۔ ویب سائٹ پر وزارت بہبود آبادی کے انتظامی ڈھانچے سے متعلق بھی مکمل معلومات اور وزارت کا نیوز لیٹر ''آبادی نامہ'' بھی دیکھا جاسکتا ہے۔[۱۲۳]

ویب سائیٹس

ایچ آئی وی ڈاٹ کام:

دنیا میں ایچ آئی وی اور ایڈز کی بیماری کے بڑھنے کی وجہ سے ایک خوف و ہراس پایا جاتا ہے اور دنیا بھر میں لوگ اس موذی مرض سے متعلق معلومات اور احتیاطی تدابیر کے متلاشی ہیں۔ اس سائٹ کا خاص طور پر مقصد یہ کہ بیماری سے متعلق علم وآگاہی کو عام کیا جائے تاکہ لوگ اس مرض سے متعلق جان سکیں اور احتیاطی تدابیر اختیار کرسکیں۔ اس سائٹ پر ایچ آئی وی اور ایڈز کے بارے میں تازہ ترین خبریں اور معلومات دستیاب ہیں۔[۱۲۴]

تولیدی صحت کا راستہ:

یہ ویب سائٹ پاپولیشن اینڈ ہیلتھ میٹریل ورکنگ گروپ کی کاوش ہے اور یہ انٹرنیٹ پر تولیدی صحت سے متعلقہ صحیح معلومات تک فوری رسائی ممکن بناتی ہے آپ کے مخصوص سوالوں کے جوابات بھی موجود ہیں۔ دنیا کی مختلف ویب سائٹس جو ایچ آئی وی / ایڈز اور بالغ نوجوانوں سے متعلق ہیں کا بھی اس سائٹ پر احاطہ کیا گیا ہے۔ تولیدی صحت اور ایس ٹی آئیز پر کام کرنے والوں کو اس سائٹ کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔[۱۲۵]

عورتوں پر تشدد کے خاتمے کی ویب سائٹ:

دنیا بھر میں عورتوں پر تشدد کے خاتمے کے لیے کام کرنے والے پیشہ ور خواتین وحضرات کے لیے اب ایک ایسی جامع ویب سائٹ دستیاب ہے جس پر 400 سے زائد اداروں کی 5000 سے زائد خبریں، مضامین اور اطلاعات موجود ہیں۔ یہ سائٹس پالیسی سازوں، محققین، صحت کے ابلاغی ماہرین اور دیگر حضرات کو عورتوں پر تشدد کے حوالے سے دنیا بھر کی معلومات مہیا کرتی ہیں۔ آپ اس سائٹ پر تازہ ترین پالیسی دستاویزات مضامین، مطبوعات، تربیتی اور نصابی مواد کے علاوہ ویڈیوز، بروشرز اور پوسٹرز جیسا تشہیری مواد بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ دنیا بھر کی ہزاروں تنظیموں سے بھی رابطہ کرسکتے ہیں۔ جو عورتوں پر تشدد کے خاتمے کے لیے کام کررہی ہیں۔[۱۲۶]

درج بالا سب پراجیکٹس طاقتور مغربی استعمار کے وہ پروگرام ہیں جن سے وہ دوسری اقوام کو خوشنما امداد کے بہانے روئے زمین سے ناپید کرنے کے منصوبے پر عمل پیرا ہیں۔ اسلام کا خاندانی نظام اور اسلامی معاشرتی نظام ان کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے جس کے خاتمے کے لیے یہ سب پروگرام چلائے جارہے ہیں۔

۱۲۳۔ http//www.mopw.gov.pak

۱۲۴۔ http//www.hiv.com

۱۲۵۔ http//www.rhgateway.org

۱۲۶۔ http//www.endvaw.org